بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیغام

**الحمدللّٰہ کفیٰ، وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، أمابعد:**

ہندوستان ایک بڑا ملک ہے، یہاں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود بڑی تعداد میں ہیں، وہ اپنی معتد بہ تعداد کی بناپراور اپنی مذہبی اخوت کے لحاظ سے مستقل ایک قوم اور ملت ہیں، ملک کا دستور اپنے باشندوں کے ہر گروہ و مذہب کو اپنے مذہب اور پسند کے مطابق زندگی گذارنے اور ادارے قائم کرنے کا حق دیتا ہے، اس طرح یہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا موقع حاصل ہے، اب یہ ان کا کام ہے کہ اپنے مذہبی احکام کی روشنی میں زندگی استوار کریں، اور شریعت اسلامی کے مطابق زندگی گذاریں۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ ان کو اپنی دین کے تقاضوں پر عمل کرنے ہی کی بناپر ''خیرامت'' کہا گیا ہے، اور ان کو ''امت دعوت'' بھی بنایا گیا ہے۔

اپنے مذہب کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داری اس ملک میں دوطرح کی بنتی ہے ایک تو یہ کہ ہم اپنے دین کی پابندی خود بھی کریں، اور اپنے دیگر دینی بھائیوں کو بھی عمل کرنے کی طرف متوجہ کریں، اور اسی کے ساتھ ساتھ ہم کو ملک کے دستور کے مطابق دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کا جو حق دیا گیا ہے، اس پر عمل کرنے کیساتھ ساتھ اس حق کے باقی رکھنے اور دین کے کسی عمل کو روکے جانے سے بچانے کی بھی فکر رکھیں۔ اسی ضرورت اور اس کی فکر کے لئے ہمارا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بنایا گیا، اور مسلمانوں کے سب نقطہائے نظر اس میں شریک ہوئے، اور الحمدللہ سب نے بورڈ کو اس کے مقاصد کے مطابق تعاون دیا اور کامیاب بنایا۔

بورڈ بھی مسلمانوں کے نقطہائے نظر میں جو فروعی اختلافات ہیں، ان سے اپنے کو الگ رکھتے ہوئے شریعت اسلامی پر عمل کرنے کے حق کی حفاظت کرنے اور امت کے افراد کو اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلانے اور اس پر عمل کے سلسلہ میں ناواقفیت یا انتظامی دشواری ہو تو اس کو دور کرنے کے لئے ممکنہ تدبیر اختیار کرتا ہے، چنانچہ بورڈ نے اپنے کام کے ان تین پہلوؤں پر اپنی کوشش مرکوز رکھی ہے: **اصلاح معاشرہ، دارالقضاء اور قانونی چارہ جوئی**، اور الحمدللہ تینوں کام انجام دیئے جارہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بورڈ کے عہدہ داران تنہا کام کا پورا حق ادا نہیں کرسکتے، ان سب کاموں کو ہم سب کو ملکر انجام دینا ہے، اور اس کے لئے برادران دین مبین کے تعاون کی ضرورت برابر قائم رہے گی، اور ہمیں امید ہے کہ وہ تعاون ملتا رہے گا۔

**سید محمد رابع حسنی ندوی**

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ - نئی دہلی

۱۴۲۷/۰۱/۲۹ھ/ ۲۰۰۶/۰۲/۲۸ء

سہ ماہی

# خبر نامہ

نئی دھلی

## آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر-۲ | اپریل، مئی، جون ۲۰۰۶ء | شمارہ نمبر-۲

ترتیب

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | مضامین | اسمائے گرامی | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۱ | پیغام | (حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی | |
| ۲ | اداریہ | (حضرت مولانا) سید نظام الدین | ۳ |
| ۳ | پارلیمنٹ اور مسلم پرسنل لا | (جناب) غلام محمود بنات والا | ۴ |
| ۴ | ہندوستانی مسلمانوں کی معاشی تنگدستی اور اس کے ازالہ کے طریقے | (جناب) پروفیسر ریاض عمر | ۱۰ |
| ۵ | انسانی معاش کا مسئلہ اور اس کا اسلامی حل | (مولانا) غطریف شہباز ندوی | ۱۲ |
| ۶ | ایک اسلامی معاشرہ انسانی معاشرہ کو کیسے متأثر کرسکتا ہے | (مفتی) محمد اسجد ندوی قاسمی | ۱۸ |
| ۷ | صالح انسانی معاشرہ کی تشکیل اسلامی معاشرہ کرسکتا ہے | (مفتی) محمد ارشد فاروقی | ۲۱ |
| ۸ | مقام تربیت قرآن وحدیث میں | (ڈاکٹر) سید محمد اجتباء ندوی | ۲۶ |
| ۹ | دین میں تربیت کی اہمیت | (ڈاکٹر) محمد اسحاق فلاحی | ۲۸ |
| ۱۰ | قرآن وحدیث میں تربیت کا تصور | (مفتی) محمد مشتاق تجاروی | ۳۲ |
| ۱۱ | ذات پات کی تفریق اور اسلام کا تصور مساوات | (مولانا) اصغر علی امام مہدی سلفی | ۳۶ |
| ۱۲ | مسلمانوں کے مسائل: احتساب خویش کی بھی ضرورت ہے | (مولانا) وارث مظہری | ۴۳ |
| ۱۳ | لازمی نکاح رجسٹریشن اور پرسنل لا بورڈ کا موقف | (مولانا) وقار الدین لطیفی ندوی | ۴۶ |
| ۱۴ | مسلم معاشرہ میں خواتین کی صورتحال | (مولانا) محمد اسرار الحق قاسمی | ۴۹ |
| ۱۵ | خواتین کا استحصال | (مولانا) عبدالحق فلاحی | ۵۲ |
| ۱۶ | زوجین کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں | (مولانا) رضوان احمد ندوی | ۵۶ |
| ۱۷ | مدارس اسلامیہ کے مروجہ نظام تعلیم وتربیت میں مطلوبہ تغیرات | (مولانا) محمد عبداللہ طارق | ۵۸ |
| ۱۸ | امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ — اور اصلاح معاشرہ کی تحریک | (حافظ) امتیاز رحمانی | ۶۲ |
| ۱۹ | مرکزی دفتر بورڈ دہلی کی سرگرمیاں | (مولانا) وقار الدین لطیفی ندوی | ۶۳ |

اداریہ

# اسلامی شریعت پر عمل

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اسلام ایک زندہ، متحرک فطرت سے ہم آہنگ آسمانی دین ہے، جس کا اپنا مکمل قانون اور مربوط نظام ہے، جس کے ہر حکم کی حکمتیں اور علتیں ہیں، جس کے ہر امر کی ایک خاص مصلحت ہے، جس پر عمل کرنے سے سکون وراحت اور عبودیت کا اجر ولطف حاصل ہوتا ہے، جس کو زندگی کا نصب العین اور فکر وعمل کا محور بنانے سے سعادت دارین نصیب ہوتی ہے۔

قرآن وسنت امت کے لیے روشنی اور ہدایت کا ذریعہ ہے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے نتیجہ میں خود فرد مسلم میں اللہ کا رنگ آتا ہے، اور وہ بندگی وپاکیزگی کی روش اپنا کر سیدھی راہ پر چل پڑتا ہے، راستہ کی دشواریوں اور کٹھنائیوں کو خوشی خوشی برداشت کرتا ہے، راہ میں آنے والی آزمائشوں فتنوں اور لبھانے والی چیزوں، غفلت ومعصیت میں ڈالنے والے امور سے بچ کر صبر وتقویٰ اور توکل کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ گویا اتباع واطاعت رب کا حق ادا کرتا ہے، اسلامی شریعت پر کما حقہ عمل دراصل بندگی کا مقصود ومطلوب ہے۔ رسول ﷺ نے جو دین ہم تک پہونچایا ہے اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا ہر حال میں لازم ہے۔ آخری نبی نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تم کسی گمراہی میں مبتلا نہ ہوگے ان میں سے پہلی چیز قرآن اور دوسری سنت ہے۔

پوری اسلامی شریعت اور سارے اسلامی قوانین قرآن وسنت ہی سے ماخوذ ہیں ان سب کا سرا قرآن وسنت ہی سے ملتا ہے اسی لیے پوری امت مسلمہ قرآن کے سمجھنے سمجھانے پڑھنے پڑھانے اور اس کے شرح وبیان میں روز اول سے لگی ہوئی ہے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں علماء پوری تندہی اور جاں فشانی کے ساتھ قرآن وسنت کی تعلیم وتدریس اور اس کے احکام کے تشریح نیز اس کو ہر مسلمان کے گھر پہونچانے اور اس پر عمل کرانے کے لیے سرگرم عمل رہے ہیں اور اس کاز کے لیے انہوں نے بڑی قربانیاں بھی دی ہیں آج ہندوستان میں اسلامی شریعت کے تحفظ کے لئے جو ادارے اور جماعتیں سرگرم ہیں ان میں بورڈ سرفہرست بورڈ ہے جو نہایت سرگرمی کے ساتھ مسلم پرسنل لا کی بقاء، نفاذ وتطبیق اس کی تشریح وتعبیر، نیز دفاع وتحفظ کے لیے کوشاں ہے۔

بورڈ مسلمانان ہند کے جملہ مسالک ومکاتب فکر کا مشترکہ نمائندہ پلیٹ فارم ہے جس کا اصل مقصد ہندوستانی مسلمانوں کو اسلامی شریعت کی قوت وحیویت، توانائی ولچک، افادیت نفع اور اس کی خصوصیت ومنفعت سے آگاہ کرنا ہے تاکہ مسلم معاشرہ اپنے پرسنل لا پر پورے اعتماد ویقین کے ساتھ عمل پیرا ہو۔ کیونکہ اسی میں اس کے لئے فلاح وخیر اور نجات ہے۔

بورڈ ہندوستانی مسلمانوں سے یہ امید رکھتا ہے کہ وہ علماء کی آواز پر اپنے پورے معاشرے اور گھر کو انفرادی واجتماعی حیثیت میں خالصتاً قرآن وسنت کی بنیاد پر استوار کرنے کی کوشش کریں گے اور فکری اور عملی اعتبار سے اطاعت رسول کے تمام تقاضوں کی تکمیل کے لیے کمر بستہ ہوں گے۔

# پارلیمنٹ اور مسلم پرسنل لا

از: غلام محمود بنات والا
رکن تاسیسی وعاملہ بورڈ

آزادی کے بعد پارلیمنٹ میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ کسی نہ کسی شکل میں بار بار اٹھتا رہا ہے۔ خوش نما مگر گمراہ کن تصورات برابر دام فریب بچھائے رہے کبھی قومی یکجہتی کے نام پر مذہبی قوانین کی جگہ تمام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ کی پرزور وکالت کی گئی، تو کبھی سماجی فلاح و بہبود کی خاطر پرسنل لا میں تبدیلیوں کی دہائی دی گئی، حقوق نسواں کے نام پر دوسری شادی، طلاق، نفقۂ مطلقہ، ضابطۂ وراثت وغیرہ کے مسائل اٹھائے گئے ہیں۔ حق زندگی کے تحت بچوں کے حق پرورش اور حق نام، نسب وخاندان کی حصولیابی کے لئے غیر فطری اور غیر شرعی ضابطۂ زندگی تجویز کیا گیا ہے۔ لیکن پارلیمنٹ میں مداخلت فی الدین کی تحریکات کا جائزہ لینے سے پہلے اس سلسلہ میں آزادی سے قبل کے تاریخی پس منظر پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال لی جائے۔

## پس منظر:

یہ تاریخ ہند کی ستم ظریفی ہے کہ دور برطانیہ ہو یا موجودہ دور آزادی دونوں ہی میں مذہبی آزادی کی تمامتر یقین دہانیوں کے باوجود شریعت اسلامیہ میں مداخلت کے جتن برابر ہوتے رہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط سے نکل کو براہ راست برطانوی حکومت کے تحت آ گیا۔ ملکہ وکٹوریہ نے مذہبی آزادی اور عدم مداخلت کا مشہور اعلامیہ جاری کیا۔ لیکن اس اعلامیہ کے باوجود انگریزوں نے عام دیوانی وفوجداری کے اسلامی قوانین کو جواب تک ہندوستان میں رائج تھے بتدریج منسوخ کرتے ہوئے ان کی جگہ اپنے وضع کردہ قوانین جاری کر دیئے۔ ۱۸۶۹ء میں اسلام کے فوجداری قانون کو ختم کر کے انڈین پینل کوڈ نافذ کر دیا گیا۔ ۱۸۷۲ء میں انگریزوں کے قانون شہادت نے اسلامی قانون کی جگہ لی۔ رفتہ رفتہ شرعی عدالتیں اور سول عدالتوں میں قاضی کا منصب ختم کر دیا گیا۔ ولیم ہنٹر نے متنبہ کیا تھا کہ ''اگر ایک بار ہم نے مسلمانوں کی مذہبی معیشت میں مداخلت کی کہ وہ اپنے عقائد کے مطابق عمل نہ کر سکیں تو ہمارے تئیں ان کی ڈیوٹی ختم ہو جائے گی'' لہٰذا عدالتوں میں مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلے ہوتے رہے۔ لیکن انگریز ججوں کے فیصلوں میں متعدد شرعی احکامات غلط تشریح وتعبیر سے محفوظ نہ رہ سکے۔

۱۸۵۷ء کے بعد کے دہائیوں میں دین وایمان کی سلامتی اور تہذیب وثقافت کی حفاظت کی جذبات نے مسلمانوں کو انگریزوں کے جبر واستبداد کے خلاف صف آرا کر دیا مسلم علماء اور عوام کی بڑی اکثریت تحریک آزادی میں پیش پیش ہوگئی۔ اسلام کا تصور آزادی بھی اپنے پیروکاروں کو آزادی کے جذبات سے معمور کر دیتا ہے نیز مسلمانوں نے ہمیشہ ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا اور اسے اپنے خون جگر سے سینچا۔ اس خصوصیت نے بھی مسلمانوں کو تحریک آزادی میں اولیت ورہنمائی کی شان عطا کی۔ تحریک آزادی کے دوران بارہا تیقن دیا گیا کہ آزاد ہندوستان مذہب کے معاملے میں غیر جانبدار رہے گا، مکمل مذہبی آزادی رہے گی اور مذہبی امور میں مداخلت نہ ہوگی۔ ۱۹۳۷ء میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کی قرارداد نے بنیادی حقوق کی صراحت کی۔ ضمیر کی آزادی

اور مذہبی احکامات پر آزادانہ عمل کے حقوق کو دہرایا گیا۔ واضح کیا گیا کہ ریاست تمام مذاہب کے تعلق سے غیر جانبدارانہ رویہ رکھے گی۔ یقین ہوچلا کہ آزاد ہند میں دین وایمان کی سلامتی رہے گی۔ ستم ظریفی یہ رہی کہ تمامتر ضمانتوں کے باوجود دین وایمان کی سلامتی آزادی کے بعد بھی گہرے خطرات میں گھری رہی اور شرعی عائلی قوانین (مسلم پرسنل لاء) نشانہ پر ہی رہے۔

## دستور ساز اسمبلی میں:

**مذہبی آزادی:** آئین کی دفعہ ۲۵ مذہبی آزادی قائم کرتی ہے۔ اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ ''تمام لوگوں کو یکساں طور پر ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی اور اپنے مذہب کو آزادانہ طور پر اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا بھی حق حاصل رہے گا۔'' آئین ساز اسمبلی میں بحث کے دوران اس دفعہ کی کئی خامیوں اور کمزوریوں پر توجہ دلائی گئی: (۱) یہ آزادی قطعی نہیں ہے اور اسے کافی پست درجہ دیا گیا ہے۔ ضمیر و مذہب کی آزادی کا حق دستور میں درج دیگر تمام بنیادی حقوق لاء اینڈ آرڈر اور صحت عامہ کے لحاظ کے ماتحت قرار دیا گیا ہے۔ نوٹ کیا جائے کہ کانگریس کمیٹی کی ۱۹۳۷ء کی قرارداد میں یہ حق صرف لاء اینڈ آرڈر اور صحت عامہ کے نکات کے ماتحت قرار دیا گیا تھا۔ (۲) مذہبی احکامات پر عمل سے جڑے ہوئے اخلاقی، معاشی، مالی وسیاسی امور کو ضوابط کی پابندی کے تحت لایا جاسکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ دستور ساز اسمبلی میں ۶ اور ۷ دسمبر ۱۹۴۸ء کی بحث سے ظاہر ہے، ان امور کو ضابطہ کے تحت تو لایا جاسکتا ہے لیکن مکمل امتناع عائد نہیں کیا جاسکتا۔ (۳) دفعہ ۲۵ کی ذیلی دفعات بھی حق آزادی پر قدغن لگاتی ہیں سماجی فلاح واصلاح کی خاطر وضع کردہ قوانین مذہبی آزادی کے حق کی پابندیوں سے آزاد اور غیر متاثر رہیں گے۔ حکومت کو مجاز ہوگا کہ مذہبی آزادی کا لحاظ کئے بغیر سماجی بہبود وریفارم کے لئے کوئی بھی قانون بنائے ایسے قوانین مذہبی اصولوں میں مداخلت بھی کرسکتے ہیں۔ ۶ دسمبر ۱۹۴۸ء کو قائد ملت جناب محمد اسماعیل صاحب (صدر انڈین یونین مسلم لیگ) نے دفعہ ۲۵ پر ترمیم رکھی کہ ایسے قوانین شخصی وشرعی قوانین میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کریں اور ہر فرقہ کے پرسنل لا کی حفاظت ہو ترمیم منظور نہ ہوپائی۔

دستور ہند میں مذہبی آزادی کی ضمانت پر عدالتی فیصلوں نے مزید قدغن لگائے ہیں۔ سپریم کورٹ نے مذہبی آزادی کو ان ہی مذہبی احکامات پر عمل کی آزادی تک محدود کردیا ہے جو احکامات مذہب میں لازمی نوعیت رکھتے ہوں۔ کیا کوئی عمل مذہباً لازمی نوعیت کا ہے؟ اس کا فیصلہ کون کرے گا۔ پہلے تو عدالت عالیہ نے متواتر تقریباً تین مقدمات میں کہا کہ اس کا فیصلہ متعلقہ مذہب کے علماء کی رائے پر منحصر ہوگا (۱۹۵۱ء ایس سی آر ۱۰۰۵، ۱۹۵۴ ایس سی آر ۱۰۵۵، ۱۹۵۹ ایس سی ۸۶۵)۔ لیکن بعد ازاں سپریم کورٹ نے اپنے فیصلوں سے انحراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ عدالت خود مذہب کے حوالے سے اس امر کا فیصلہ کرے گی (۱۹۶۲ ایس یو پی پی ۲، ایس سی آر ۴۹۶ بمقام ۵۳۲)۔ حیرت ہے کہ سیکولر ملک میں سیکولر عدالت شان پیغمبرانہ اختیار کرتے ہوئے طے کرے گی کہ مذہب کی اصل روح کیا ہے۔

ہندوستان کا آئین امریکی دستور سے کافی متاثر ہے۔ لیکن اس کے باوجود امریکی دستور کے برخلاف دستور ہند میں ایسی کوئی خصوصی شق نہیں کہ ریاست خود کوئی مذہب قائم نہیں کرے گی اور نہ ہی اس کا اپنا کوئی مذہب ہوگا۔ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس ۳ اور ۶ دسمبر ۱۹۴۸ء میں کے ٹی شاہ، ایم وی کامتھ اور دیگر اراکین نے اس قسم کی تجاویز وترمیمات پیش کیں۔ لیکن کوئی منظور نہ ہوپائی، بہرحال جے ایم شیلہٹ ودیگر ماہرین قانون کی پختہ رائے ہے کہ ضمیر و مذہب کی آزادی کے پیش نظر ریاست کوئی سرکاری مذہب قائم نہیں کرسکتی ہے اور نہ ہی کسی خاص مذہب کی سرپرستی کرسکتی ہے۔ (دفعہ ۲۷)

آزادئ رائے وضمیر اور مذہبی آزادی کے بارے میں یہ قابل ذکر امر ہے کہ دستور کی دفعہ ۲۵ ہر ''فرد'' کو اپنے مذہب کی پیروی اور اشاعت وتبلیغ کی مکمل آزادی عطا کرتی ہے، تحریک آزادی کے دوران کانگریس کمیٹی کی ۱۹۳۷ قرار داد نے اس حق کی بابت صرف ''شہریوں'' کا ذکر کیا تھا۔ مزید یہ کہ اس قرارداد میں مذہب کی تبلیغ کا حق شامل نہیں تھا۔ لیکن دستور ساز اسمبلی کی اقلیتی ذیلی کمیٹی نے ۱۹/اپریل ۱۹۴۷ء کو رکن ایم اُتھنا سوامی کی اس تجویز کو منظور کرلیا کہ اسلام اور عیسائی مذہب تبلیغی نوعیت رکھتے ہیں لہٰذا اشاعت وتبلیغ کا حق بھی دفعہ ۲۵ میں شامل رہے۔

## یکساں سول کوڈ:

دستور کی دفعہ ۴۴ میں کہا گیا ہے کہ ریاست کوشش کرے گی کہ ملک کے تمام شہریوں کو یکساں سول کوڈ فراہم ہو۔ ''اس دفعہ کا منشاء ہے کہ پورے ملک کے شہریوں کے لئے بلا امتیاز مذہب وفرقہ یکساں دیوانی قانون ہوں۔ غیر مذہبی دیوانی یا سول قوانین جیسے کہ کنٹراکٹ ایکٹ، کمپنی لا، وغیرہ تقریباً تمام ہی عام شہریوں کے لئے یکساں ہیں۔ لہٰذا اس دفعہ کی ضرب مذہبی عائلی قوانین یا پرسنل لا پر پڑتی ہے کہ کسی فرقہ کا شادی، بیاہ، طلاق، نفقہ، وراثت وغیرہ کے تعلق سے پرسنل لا نہ رہے۔ اوران کی جگہ پارلیمنٹ کا بنایا ہوا قانون عائد ہو۔ ظاہر ہے کہ دستور ہند کی دفعہ مسلم پرسنل لا اور دیگر تمام فرقوں کے عائلی وروا جی ضابطوں کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ قرآن وسنت کے احکامات جو عائلی یا خاندانی زندگی سے متعلق ہیں شریعت اسلامیہ کا اہم ترین جزء ہیں ان کی حیثیت اللہ کے فرمان کی ہے اور کسی مسلمان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی اور طریق کو اپنائے یا کسی اور راستے پر چلے (سورہ احزاب ۳۶-۳۷)

یونیفارم یا یکساں سول کوڈ کا تصور کی اس ضمانت کی نفی ہے کہ لوگوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی آزادی ہوگی۔ تحریک آزادی کے دوران اس قسم کے کسی یکساں سول کوڈ کا کوئی تصور نہ تھا۔ ۲۸/مارچ ۱۹۴۷ء کو ایم آر، مسانی نے یکا یک دستور ساز اسمبلی کی ذیلی کمیٹی کے اجلاس میں تجویز رکھی کہ یونیفارم سول کوڈ کی فراہمی کو بنیادی حقوق میں شامل کیا جائے۔ چار اراکین تجویز کے حق میں رہے جبکہ پانچ نے مخالفت کی اور تجویز مسترد ہوگئی۔ لیکن اراکین کو چین نہیں، چند دنوں کے اندر تجویز واپس لاتے ہوئے ۳۰/مارچ ۱۹۴۷ء کو مذکورہ ذیلی کمیٹی میں اکثریتی رائے سے اسے دستور کے رہنما اصولوں میں شامل کرلیا گیا بنیادی حقوق کے برعکس رہنما اصولوں کا نفاذ بذریعہ عدالت حاصل نہیں کیا جاسکتا لیکن چند حالیہ عدالتی فیصلوں نے رہنما اصولوں کو کافی اونچا مرتبہ و مقام عطا کردیا ہے۔

آئین ساز اسمبلی میں نومبر ۱۹۴۸ء میں یکساں سول کوڈ کی موجودہ دفعہ ۴۴ پر بحث ہوئی۔ متعدد ترمیمات پیش ہوئیں۔ قائد ملت محمد اسماعیل صاحب (مسلم لیگ) نے ترمیم پیش کی کہ ''اگر کوئی فرقہ یا گروہ اپنا کوئی پرسنل لا رکھتا ہو تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے پرسنل لا کو ترک کردے'' بی پوکر صاحب نے اسی کے مشابہ ایک ترمیم رکھی۔ محبوب علی بیگ صاحب نے ترمیم رکھی کہ ''یہ دفعہ شہریوں کے پرسنل لا کو متاثر نہیں کرے گی'' جناب نذیر الدین احمد نے یہ سیاسی خیال سمجھایا کہ ''کسی فرقہ کے پرسنل لاء کو، کہ جسے ریاست نے ضمانت دی ہے، تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ الا یہ کہ اس فرقہ سے اس طریق کے مطابق پیشگی منظور حاصل کرلی گئی ہو کہ جس طریق کو مرکزی قانون ساز ادارہ نے بذریعہ قانون طے کیا ہو''۔

مذکورہ بالا تمام ترمیمات مسترد ہوگئیں اور دفعہ ۴۴ کو منظور کرلیا گیا۔ لیکن وزیر قانون ڈاکٹر امبیڈکر نے انتہائی واضح الفاظ میں متنبہ کیا کہ ''کوئی بھی ریاست اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح نہیں

کرسکتی جس کے باعث مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ ہو جانا پڑے۔ اگر ریاست ایسا کرے گی تو میری دانست میں یہ پاگل پن ہوگا۔''

دستور ہند کی دفعہ ۱۹ شہری حقوق قائم کرتی ہے، اس دفعہ پر بحث کے دوران محمد اسماعیل صاحب (مسلم لیگ) نے پرسنل لا کے تحفظ کے لئے ایک اور کوشش کرتے ہوئے ترمیم پیش کی کہ ہر شہری کو'' آزادی حاصل ہوگی کہ وہ جس گروہ یا فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اس کے پرسنل لا پر عمل کرے۔'' یہ ترمیم بھی مسترد ہوگئی۔ اب یکساں سول کوڈ کی تلوار بدستور مسلم پرسنل لا کے اوپر لٹک رہی ہے۔

## آئین ہند کے نفاذ کے بعد:

آئین ہند اپنی تمامتر ضمانتوں کے ساتھ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو نافذ ہوگیا۔ لیکن بیسویں صدی کا آخری نصف حصہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء کے مستقبل کے لئے کافی تشویشناک ثابت ہوا۔

## اسپیشل میرج ایکٹ:

۱۹۵۲ء میں پارلیمنٹ میں اسپیشل میرج بل پیش ہوا۔ اس قانون کی رو سے یہ ضروری نہیں کہ نکاح کے لئے جانبین ہم مذہب ہوں۔ نکاح کے لئے کسی مذہبی رسم کی بھی قطعاً ضرورت نہیں۔ رجسٹرار کے پاس تحریری اقرار نامہ کرنا کافی ہے۔ تعداد ازدواج ممنوع ہے اور دوسری شادی پر سات سال تک قید کی سزا ہے۔ چچازاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی، خالہ زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی سے شادی ممنوع ہے۔ طلاق صرف بذریعہ عدالت ہوسکتی ہے۔ عدالت میں طلاق کی درخواست شادی کے تین سال بعد ہی پیش کی جاسکتی ہے۔ عدالت سے حاصل کردہ تفریق کے بعد مرد پر لازم ہے کہ عورت کو تاحیات یا نکاح ثانی نفقہ ادا کرے۔ ساتھ ہی اس تفریق پر جب تک ایک سال کا عرصہ نہ گذر جائے کوئی فریق دوبارہ شادی نہیں کرسکتا۔ شادی، طلاق، وغیرہ کی ان غیر شرعی دفعات کے علاوہ اس قانون کے تحت شادی کر لینے کی صورت میں اسلام کا قانون وراثت بھی لاگو نہ رہے گا۔ بلکہ وراثت کے باب میں انڈین سکیشن ایکٹ ۱۹۲۵ کا اطلاق ہوگا جو شریعت سے بنیادی طور پر متصادم ہے۔ بعدازاں ایک ترمیم کی گئی ہے کہ اگر کوئی ہندو اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت شادی کرتا ہے تو اسے ہندو لا کے ضابطۂ وراثت کا حق حاصل رہیگا۔

بلاشبہ اسپیشل میرج ایکٹ کا اطلاق اختیاری ہے۔ اور ان ہی پر عائد ہے جو کہ اس ایکٹ کے تحت شادی کرنا پسند کریں۔ لیکن مذہبی قانون کے مقابل اختیاری متوازی قانون حقیقت میں مذہبی ضابطہ حیات کو کمزور کرنے کی کوشش ہے۔ پارلیمنٹ میں مطالبہ ہوا کہ مسلمانوں کو اس ایکٹ سے مستثنیٰ رکھا جائے، محمد اسماعیل صاحب (مسلم لیگ) نے ۲۸ر جولائی ۱۹۵۲ء کو راجیہ سبھا میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس قسم کا قانون دستور کے عطا کردہ مذہبی آزادی کے بنیادی حق کو چھین لینے کے مترادف ہے۔ وزیر قانون سی سی بسوا اس نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا کہ اسپیشل میرج ایکٹ شادی کے عام قوانین کے بنانے کی سمت پہلا قدم ہے اور آخری مقصد یکساں سول کوڈ بنانا ہے۔ ظاہر ہے کہ دستور کی دفعہ ۴۴ تحت یکساں سول کوڈ کے لئے نہ صرف راہ ہموار کی جارہی ہے۔ بلکہ کوڈ کے خدوخال کی نشاندہی بھی ہورہی ہے۔ اسپیشل میرج ایکٹ پر بحث سے کافی عرصہ پہلے ۱۹۵۰ء میں ہندو کوڈ بل پر پارلیمانی بحث کے دوران مرکزی وزیر قانون نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ''ہندو قوانین میں اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی۔ اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہوگئے تو ہماری ۸۵ر فیصد آبادی (ہندو) کے لئے ہو تو باقی ۱۵ر فیصد پر اس کا نافذ کرنا مشکل نہ ہوگا۔

ملک کے مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی اور احتجاج کے پیش نظر وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے محمد اسماعیل صاحب (مسلم لیگ) کو جوابی خط تحریر کرتے ہوئے لکھا کہ جب تک مسلمان خود نہ چاہیں گے حکومت مسلم پرسنل لا میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی ۔ یہ ایک ایسا سرکاری موقف ہے جو دور رس نتائج کا حامل ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کی جھلک دستور ساز اسمبلی کے ایک مسلم ہی رکن جناب نذیر الدین احمد کی ترمیم میں پائی جاتی ہے۔

## مسلم پرسنل لا کے لئے کمیشن:

۱۹۶۳ء میں مرکزی حکومت نے ایک کمیشن کا اعلان کیا کہ مسلم پرسنل لا میں مناسب اصلاح کے لئے سفارشات پیش کرے۔ ملک بھر میں مسلمانوں میں شدید اضطراب پیدا ہوگیا۔ جگہ جگہ احتجاج ہوا۔ تقریباً تمام ہی مسلم تنظیموں نے احتجاج کیا۔ امارت شرعیہ بہار، جمعیۃ العلماء ہند، امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش، انڈین یونین مسلم لیگ، جماعت اسلامی، انجمن مہدویہ، شیعہ اثنا عشری کانفرس، غرضیکہ سبھوں نے کمیشن کے خلاف تجاویز منظور کیں۔ امارت شرعیہ بہار کے زیر اہتمام ۲۸/جولائی ۱۹۶۳ء کو زبردست مسلم پرسنل لا کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس بڑھتے ہوئے اضطراب کو دیکھتے ہوئے آخر کار مرکزی وزیر قانون نے ۳۱/اگست ۱۹۶۳ء کو راجیہ سبھا میں اعلان کیا کہ حکومت نے کمیشن کے تقرر کی تجویز کو ترک کر دیا ہے۔ دہرایا گیا کہ حکومت کسی اقلیت کی مرضی کے خلاف پرسنل لا میں ترمیم کا ارادہ نہیں رکھتی۔

## قانون تبنیت:

اب بچوں کی تبنیت کے بارے میں ضابطہ کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا سنگین خطرہ پیدا ہوا۔ ۲۳/مئی ۱۹۷۲ء کو حکومت نے Adoption Law وزیر قانون ایچ آر گوکھلے کے اس بیان کے ساتھ راجیہ سبھا میں پیش کیا کہ یہ یکساں سول کوڈ کی جانب مضبوط قدم ہے۔

قانون شریعت کے مسلسل خطرات میں گھرے ہونے پر اور مسلم اضطراب کو اجتماعی شکل دینے کی خاطر بمبئی میں ۲۷-۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء کے تاریخی کنونشن میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء کو قانون شریعت میں مداخلت قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ پارلیمنٹ نے بل کو جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ کمیٹی میں اعتراضات داخل کئے گئے اور شہادتیں پیش کی گئیں۔ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی تو تین مسلم اراکین کی اختلافی نوٹ لگی ہوئی تھی۔ بل سرد خانہ میں چلا گیا اور اطمینان کی لہر دوڑ ی کہ اب یہ بل دوبارہ پیش نہیں ہوگا۔ لیکن ۶/سال بعد جولائی ۱۹۷۸ء میں مرارجی ڈیسائی کی وزارت عظمیٰ کے دوران یہ بل اچانک راجیہ سبھا میں منظوری کے لئے پیش کر دیا گیا۔ اس بلائے ناگہانی کے نازل ہونے پر انڈین یونین مسلم لیگ کے اراکین پارلیمنٹ بشمول راقم الحروف نے فوراً اپوزیشن لیڈروں سے ملاقات کی اور انہیں مسلم مخالفت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے موقف کی یاد دہانی کرائی۔ بل کو راجیہ سبھا میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ دوپہر کی بحث کے بعد راجیہ سبھا کا اجلاس ملتوی ہوتے ہی مسلم لیگ کا وفد وزیر قانون شانتی بھوشن سے ملا ۔ وزیر موصوف کابینہ کے اجلاس کے لئے جا رہے تھے اور آپ نے وعدہ کیا کہ معاملہ کابینہ میں پیش کرینگے ۔ نتیجتاً دوسرے دن ۱۹/جولائی ۱۹۷۸ء کو حکومت نے بل واپس لے لیا۔ ۱۶/دسمبر ۱۹۸۰ء کو محترمہ اندرا گاندھی کے دور اقتدار میں بل پھر پارلیمنٹ میں پیش ہوا، لیکن اب کی بار مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔

## سردار سورن سنگھ کمیٹی رپورٹ:

ایمرجنسی کے دور میں کانگریس نے سردار سورن سنگھ کمیٹی تشکیل

دی کہ دستور میں ضروری ترمیمات کی سفارشات مرتب ہوں۔ کمیٹی کی دو سفارشات کے نتیجہ میں ملک میں مسلم پرسنل لا تنسیخ کی زد میں آ گیا۔ کمیٹی نے سفارش کی کہ آئین میں بنیادی حقوق کی طرح ہر شہری کے بنیادی فرائض کی صراحت ہو، اور بنیادی فرائض کی خلاف ورزی قابل سزا جرم قرار دی جائے۔ ان بنیادی فرائض کی فہرست میں لازمی قرار دیا گیا کہ ہر شہری اپنی زندگی رہنما اصولوں کے تحت بسر کرے۔ اور رہنما اصولوں میں دفعہ ۴۴ پرسنل لا کی تنسیخ اور اس کی جگہ یونیفارم سول کوڈ چاہتی ہے! ساتھ ہی کمیٹی نے بنیادی فرائض میں برتھ کنٹرول کو بھی شامل کرلیا۔ کانگریس کمیٹی نے رپورٹ منظور کرلی۔ اس انتہائی دشوار ایمرجنسی کے ماحول میں انڈین یونین مسلم لیگ نے دہلی میں مسلم قائدین کی ایک نمائندہ نشست منعقد کی۔ ان سفارشات پر سخت خفگی اور احتجاج کا اظہار ہوا۔ مسلم لیگ کے ایک وفد نے وزیر اعظم اندرا گاندھی اور وزیر قانون سے ملاقات کی اور احتجاجی میمورنڈم پیش کیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے جدوجہد کامیاب رہی اور جب دستور میں ترمیم کا ۴۲واں بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو اس میں سردار سورن سنگھ کمیٹی رپورٹ کی یہ دو قابل اعتراض ترمیمیں شامل نہیں تھیں۔

## اوقاف اور انکم ٹیکس قانون:

اب انکم ٹیکس قانون کے ذریعہ اوقاف کی سرمایہ کاری میں غیر شرعی مداخلت برپا کی گئی، انکم ٹیکس قانون میں کہا گیا کہ تمام اوقاف ۱۹۷۳ء کے بعد اپنی اضافہ شدہ جائداد کو فروخت کریں اور حاصل شدہ رقم سرکاری تمسکات میں لگائیں۔ اس طرح ملنے والی سود کی آمدنی سے اوقاف (مساجد، مدارس وغیرہ) اپنے مقاصد انجام دیں، ورنہ اوقاف پر انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس عائد کیا جائے گا یہ بھی اندیشہ پیدا ہوا کہ ان ٹیکس کی ادائیگی نیز فوری طور پر جائدادوں کی اونے پونے داموں فروخت ،اوقاف کی مالی حالت تباہ کردینگے۔

راقم الحروف نے پارلیمنٹ میں اس ضابطہ کی سخت مخالفت کی اور وزیر مالیات نے اس پر توجہ دینے کا وعدہ کیا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا وفد وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملا اور آپ نے وزیر مالیات وینکٹ رامن کو طلب کیا۔ دوسرے دن وزیر مالیات نے راقم الحروف کو طلب کیا اور افسران کے ساتھ ترمیم کے خاکے پر گفتگو ہوئی۔ اس کے مطابق ۳۱/ مارچ ۱۹۸۱ء کو وزیر مالیات نے لوک سبھا میں بیان دیتے ہوئے اعلان کیا کہ انکم ٹیکس ایکٹ سے اس غیر شرعی ترمیم کو خارج کردیا جائے گا۔ یہ سرکاری بیان سیکولر ریاست میں مذہبی احترام کے تعلق سے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ وزیر موصوف نے اپنے بیان میں کہا کہ ''سرمایہ کاری کا جو طریقہ دفعہ (۵) ۱۳ کے مطابق طے پایا ہے اس سے آمدنی سود کی شکل اختیار کرتی ہے جو کہ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ لہٰذا حکومت نے انکم ٹیکس ایکٹ میں ترمیم کا فیصلہ کیا ہے۔''

## نیا وقف ایکٹ:

۱۹۸۵ء میں نیا وقف قانون لاگو ہوگیا۔ اس قانون سے مسلم اراکین پارلیمنٹ مطمئن نہ تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ نے بھی نمائندگی کی تھی۔ حکومت نے ضروری ترمیمات کا وعدہ کیا تھا، لیکن عام الیکشن سے پہلے حکومت نے یہ بل پارلیمنٹ میں اچانک پیش کردیا اور اراکین کی ترمیمات کو مسترد کرواتے ہوئے بل کو منظور کروالیا، ۱۹۹۵ء میں اس نئے وقف ایکٹ میں چند ترمیمیں ہوئیں نیز پارلیمنٹ نے ریاستی وقف بورڈ کی کارکردگی کے جائزہ کیلئے ایک پارلیمنٹری کمیٹی تشکیل دی ہے۔ کافی عرصہ سے اس کمیٹی کی رپورٹ کا انتظار ہے۔

## نفقہ مطلقہ:

فوجداری قانون کے ذریعہ بھی مسلم پرسنل لا میں سنگین مداخلت کا

ایک واقعہ پیش آیا۔ نئے کریمنل بروسیجر کوڈ (سی آر پی سی) میں کہا گیا کہ طلاق کے بعد مرد پر لازم ہوگا کہ عورت کو تاحیات یا نکاح ثانی نفقہ ادا کرے۔ یہ شق شریعت سے واضح طور پر متصادم تھی۔ پرسنل لا بورڈ کا وفد وزیراعظم سے ملا۔ پارلیمنٹ میں اس منظور شدہ دفعہ ۱۲۵ پر دوبارہ بحث ہوئی اور دفعہ ۱۲۷ کا اضافہ کیا گیا کہ اگر کسی فرقہ کے پرسنل لا میں طلاق پر نفقہ یا واجبات کی ادائیگی عائد ہوتی ہو تو دفعہ ۱۲۵ کا اطلاق نہ ہوگا۔ لیکن اس صراحت کے باوجود شاہ بانو مقدمہ (اے آئی آر ۱۹۸۵ ایس سی ۹۴۵) میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے دھماکہ خیز صورتحال پیدا کردی۔ مسلم اضطراب اپنے انتہا پر تھا۔ راقم الحروف نے لوک سبھا میں غیر سرکاری بل پیش کیا کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی بجائے ملک میں شرعی حکم جاری رہے اس بل نے پارلیمانی تاریخ میں ایک اہم حیثیت اختیار کرلی۔ غیر سرکاری بل ہونے کے باوجود یہ بل تقریباً ایک سال زیر بحث رہا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت ایک عظیم عوامی تحریک کا آغاز ہوگیا۔ بورڈ کے وفود نے متعدد بار وزیراعظم سے ملاقات کی۔ پارلیمنٹ میں غیر سرکاری بل پر بحث کے دوران حکومت نے وعدہ کیا کہ شرعی حکم کی بحالی کیلئے سرکاری بل پیش کیا جائے گا۔ راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیرپرسن نجمہ ہپت اللہ کے مکان پر ایک نشست ہوئی اور وزیر قانون نے سرکاری بل کے سلسلہ میں مشورہ کیا۔ اس نشست میں راقم الحروف شامل تھا۔ بعدازاں حکومت نے صدر اور جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ سے بھی اس بارے میں گفتگو کی۔ سرکاری یقین دہانی پر غیر سرکاری بل واپس لے لیا گیا اور حکومت نے سرکاری بل پیش کیا جو مسلم خواتین (طلاق پر تحفظ حقوق) ایکٹ ۱۹۸۶ کہلایا۔ وزیر داخلہ نرسمہا راؤ نے لوک سبھا میں پوری وضاحت کے ساتھ کہا کہ سپریم کورٹ نے قانون کی ایسی تشریح کی ہے جو کہ بارہ سال پہلے قانون سازی کے وقت پارلیمنٹ کی منشاء نہ تھی۔ لہٰذا بذریعہ قانون پارلیمانی منشاء کو بحال کیا جارہا ہے۔

## عبادت گاہوں کے تحفظ کا قانون:

پارلیمنٹ نے ۱۹۹۱ء میں ایک خصوصی قانون وضع کیا کہ یوم آزادی ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو عبادت گاہوں کی جو مذہبی حیثیت تھی وہ برقرار رہے گی اور اس حیثیت کو تحفظ حاصل رہے گا۔ یہ قانون بابری مسجد کے بارے میں پیدا کردہ تنازعہ کے نتیجے میں وضع ہوا ہے۔ بابری مسجد کو اس قانون کے دائرہ سے باہر رکھا گیا لیکن دیگر تمام عبادت گاہوں کی مذہبی پوزیشن کو تحفظ دیا گیا کہ ان کی مذہبی حیثیت تبدیل نہ ہوگی۔ قبل ازیں راقم الحروف نے لوک سبھا میں ایک غیر سرکاری بل کے ذریعہ ۵/مئی ۱۹۸۷ء کو یہ اصول پیش کیا تھا کہ یوم آزادی پر جس عبادت گاہ کی جو مذہبی حیثیت تھی اس کا تحفظ ہو۔ یہ بل مساجد وغیرہ کی مذہبی حیثیت تبدیل کرنے کی کوششوں کے خلاف تھا۔ لوک سبھا نے تجویز مسترد کردی۔ ۱۹۹۱ء کے عام چناؤ کے موقعہ پر راجیو گاندھی سے راقم الحروف کے مذاکرات کے بعد کانگریس نے منجملہ دیگر امور، اتفاق کیا کہ اگر چناؤ میں کانگریس کامیاب رہی تو تجویز کردہ قانون بنایا جائے گا۔ اب کیرالا مسلم لیگ دوبارہ ریاستی متحدہ محاذ میں شامل ہوگئی۔ الیکشن کے بعد تجویز کو قانونی شکل تو دے دی گئی لیکن مستثنیٰ امور کی ایسی طویل فہرست بھی قانون میں داخل کردی گئی کہ جس نے قانون کی افادیت کو کافی محدود کردیا ہے۔

مسلم پرسنل لا کے تعلق سے پارلیمانی تاریخ مسلسل ملّی بیداری اور اتحاد چاہتی ہے اور متقاضی ہے کہ پارلیمنٹ میں مسلم اراکین ایسے ہوں جو کہ بیرون ملّت پابندیوں اور مصلحتوں سے آزاد ہوں۔

# ہندوستانی مسلمانوں کی معاشی تنگدستی اور اسکے ازالہ کے طریقے

از: پروفیسر ریاض عمر
خازن ورکن عاملہ بورڈ

کیا یہ آج کی بات ہے کہ ہندوستانی مسلمان تنگ دست ہیں؟ یا یہ تقسیم وطن کی بات ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے ہندستانی مسلمان تنگ دست ہیں؟ دراصل حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی عام مسلمان معاشی طور سے کچھ اونچی سطح پر نہیں تھے۔ زمینداروں کی زمینداری تھی اور جاگیرداروں کی جاگیرداری۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ بہت محدود تھا کاروباری حلقوں میں مصروف مسلمانوں کی اکثریت خردہ کاروبار کرتی تھی اور اس سے بہت کم مختلف اشیاء کے تھوک کے بیوپاری تھے۔ اس سے کچھ تھوڑے ہی زیادہ فیصد لوگ دستکاری میں مشغول تھے۔ وہ تمام ہنرمند تھے لیکن اپنی تیار کی ہوئی بہترین اور خوبصورت اشیاء کی فروخت کے طریقوں سے ناواقف تھے۔ وہ بہت ہی معمولی اجرت پر یا تو اہل وطن کے کارخانوں میں کام کرتے تھے یا پھر بہت معمولی قیمتوں پر اپنی تیار کی ہوئی اشیاء بہت ہی کم منافع پر ان کو فروخت کر دیتے تھے۔ ان قسمت کے ماروں کو مارکٹینگ کے اصولوں سے اور بازار کے داؤ پیچ سے بھی واقفیت نہیں تھی۔ نتیجہ میں ان کی محنت سے بنائے ہوئے مال کی طلب کے باوجود ان کو منافع میں سے آٹے میں نمک کے برابر بھی حصہ نہیں پہنچ پاتا تھا۔

آج بھی صورتحال کچھ اس سے ملتی جلتی ہی ہے صرف اتنا فرق ہوگیا ہے کہ اپنے بل پر کام کرنے والے دستکار آہستہ آہستہ بہت کم ہوگئے ہیں کیونکہ ایک تو ان کا موں کے قدرداں کم ہوگئے دوسرے مشینوں نے چابکدست ہنرمندوں کی جگہ لے لی۔ لیکن یہ چھوٹی چھوٹی مشینوں پر کام کر کے مختلف گھریلو اور صنعتی ضروریات کی اشیاء بنانے والے آج بھی جدید مارکیٹنگ کے طریقوں سے ناواقف ہیں۔ آج بھی وہ بڑے پیمانے پر پیداوار اور اس کی فروخت کے فائدوں سے دور ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کارخانے داروں، خوردہ دکانداروں اور تھوک فروشوں کی تعداد میں اضافہ تو ہوا لیکن فیصد کے اعتبار سے کم تر ہوئے ہیں کیونکہ بڑھتی ہوئی آبادی اور غریبی کی سطح سے نیچے درجے والوں کی تعداد میں نسبتاً بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجے میں تنگدست مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ درمیانہ درجے اور اس سے کچھ اوپر درجے والے مسلمانوں کی بچت کا روپیہ یا تو گھروں میں نقد اور زیورات کی صورت میں بچا ہوا رکھا ہے یا پھر بینکوں میں سودی یا غیر سودی کھاتوں میں جمع ہے۔ یعنی دراصل اس تمام مجموعی رقم سے کوئی پیداواری فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ شہروں اور قصبات میں جو بڑے بڑے شاپنگ سینٹر اور سینکڑوں کی تعداد میں ملازم

رکھنے والے کارخانے اور صنعتیں ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے! صرف سرکاری نوکریوں کے لئے احتجاج کرنے اور ان کی کمی پر ماتم پرسی کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو پائیگا۔ ضرورت ہے کہ اس غیر پیداواری بچت کو پیداواری سرمایہ میں تبدیل کرنے کے طریقے ڈھونڈے جائیں۔ آیئے دیکھیں یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔

۱- ہمارے ملک میں جوائنٹ اسٹاک لمیٹیڈ کمپنیز (Joint Stock Limited Comp.) کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ مختلف اسٹاک ایکسچینج میں کم وبیش تین ہزار کمپنیاں رجسٹرڈ ہیں۔ اس میں مسلمانوں کے کنٹرول اور انتظام میں کتنی! ایک فیصد بھی نہیں۔ نئی کمپنیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے اور شیئرز کی صورت میں جملہ مسلمانوں کے غیر پیداواری سرمایے کو باہر لانے کی ضرورت ہے۔ یہ جمع شدہ سرمایہ بڑے پیمانے پر فیکٹریاں، کارخانے اور انڈسٹری لگانے کے کام میں لایا جائے۔ یہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے کاروباری لوگ سامنے آئیں جن کے نام اور کام سے عوام میں اطمینان پیدا ہو اور پھر وہ اپنی چھوٹی چھوٹی بچتیں اچھے منافع کی امید میں ان کاروباری لوگوں کے ہاتھوں میں سونپ سکیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ گذشتہ کچھ سالوں میں ایسے حضرات نے اس کام میں ہاتھ ڈالا اور سبز باغ دکھا کر سرمایہ تو جمع کیا مگر اسے بیدردی سے اڑا کر کمپنی کو دیوالیہ قرار دلوادیا۔

ایک پائدار انڈسٹری سے ایک طرف تو بڑی تعداد میں ہنر مندوں کو اچھی ملازمت ملتی ہے اور دوسری طرف شیئرز ہولڈرس کو سرمایہ کاری پر بہتر منافع ملتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کارخانے ملکی اثاثے کا اہم حصہ بن جاتے ہیں۔ جن کی حفاظت اور بہبودی سرکار کی ذمہ داری کا جزء بنتی ہے۔

۲- اس کے علاوہ کوآپریٹیو سوسائٹیز قوانین کے تحت مارکیٹنگ کیلئے کوآپریٹیو سوسائٹیز کی بنیاد ڈالنی چاہیئے۔ چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں بننے والے مال کو ان سوسائٹیز کے ذریعہ فروخت کیا جائے۔ کاریگروں کو ان سوسائٹیز کا حصہ دار بنایا جائے۔ ایک طرف تو کاریگروں کو ان کے مال کی مناسب قیمت ملے گی اور دوسری طرف منافع میں حصہ بھی ملے گا۔ یہاں بھی مارکیٹنگ کے جدید اصولوں سے واقف لوگوں کے ہاتھوں میں انتظام وانصرام ہونا چاہیئے۔

۳- بینکنگ اور انشورنس کے میدانوں میں مسلمانوں کا حصہ ساحل سمندر کے سامنے پڑی ہوئی ریت کے چند ذروں کے برابر بھی نہیں ہے۔ ان اداروں کے ذریعہ سرمایہ کو اکٹھا کر کے سرمایہ کاری میں استعمال کرنے کے بہت مواقع ہیں۔

۴- ایک بہت وسیع میدان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر سائینسیز کا کھل گیا ہے۔ اس کی وسعتیں لامحدود ہیں اور روزگار کے بے انتہا مواقع۔ بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں آسامیوں کی جگہیں خالی ہیں۔ آئے دن اخبارات میں ملازمتوں کے اشتہارات ان ممکنہ خالی آسامیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ بلاتذکیروتانیث کے فرق کے ہزاروں کی تعداد میں معقول مشاہرہ پر لوگ ان جگہوں پر کام کررہے ہیں اور اپنی تنگدستی کو ختم کر کے معیاری طریقہ زندگی کو حاصل کررہے ہیں۔ خال خال مسلمان لڑکے لڑکیاں بھی نظر آتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہر چھوٹے بڑے شہر میں رئیس مسلم افراد کی وساطت سے فنڈ قائم کئے جائیں اور پھر اس فنڈ سے کم استطاعت والے مسلم طلباء و طالبات کو اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی تعلیم کے لئے معقول وظائف دیئے جائیں۔ ایک بار اطلاعاتی ٹیکنالوجی کے اداروں سے فارغ ہوکر نکلنے والوں کے لئے معقول ملازمتوں کی کوئی کمی نہیں اور پھر اس یافت کے اثرات خاندان

کے دیگر حضرات وخواتین تک پہنچیں گے۔

ہمیں زمینی حقیقتوں کو سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل کو اجتماعی فائدے کے لئے استعمال کرنے سے اکثریت کو فائدہ پہنچے گا۔ بیشک قدرت نے کچھ کو کچھ پر فضیلت دی ہے لیکن جن کو فضیلت دی گئی ہے ان کا فرض ہے کہ دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے انفرادی فائدہ پر گروہی فائدہ کو ترجیح دیں۔ اسلام کے ملکیتی تصور کو تبلیغ کا ایک جزء بنانا چاہیے کیونکہ یہ بھی اسلام میں معاشی اور معاشرتی ترقی کا بنیادی ستون ہے۔

# انسانی معاش کا مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

غطریف شہباز ندوی
C-303/3 شاہین باغ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

معاش کا مسئلہ انسانی زندگی میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے اسلام ایک مکمل منہج حیات ہونے کی حیثیت سے اس مسئلہ سے صرف نظر نہیں کرسکتا تھا اور اس نے نہیں کیا چنانچہ جہاں اس نے اخلاق، معاشرت، سیاست واجتماعیت جیسے امور ومسائل کے سلسلہ میں ہدایات دی ہیں وہیں انسان کے معاشی مسئلہ کے حل کے لیے بھی مکمل رہنمائی دی ہے۔ اسی طرح غربت وفقروفاقہ سے بھی انسان ابتدائے آفرینش سے ہی دوچار رہا ہے۔ اسلامی نظام مشیت اس مسئلہ کا بھی کافی وشافی حل تجویز کرتا ہے اگلے سطور میں اسی سلسلہ میں بعض معروضات پیش کی جارہی ہیں۔

انسان کے روحانی ونفسیاتی تقاضوں میں ایک تقاضہ مال کی محبت اور ملکیت کا جزبہ بھی ہے۔ یہ جذبہ فطری بھی ہے شدید بھی۔ **وتحبون المال حباً جماً** تم مال کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو۔ (الفجر:۲۰)

حدیث میں ہے: **یھرم ابن آدم ویشب منہ اثنان الحرص علی المال والحرص علی العمر.** (بخاری ومسلم)

ابن آدم بوڑھا ہوجاتا ہے لیکن اس کی دوخواہشیں جوان رہتی ہیں مال کی حرص اور عمر درازی کی حرص۔

انسان کی اسی نفسیاتی کیفیت کو ایک متفق علیہ حدیث میں یوں بھی بیان کیا گیا کہ: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ اس کا پیٹ تو خاک (یعنی موت) ہی بھر سکتی ہے۔ مال کی یہ محبت ہی جذبۂ تنافس ومسابقت پیدا کرتی ہے۔ ملکیت کی آرزو اور جذبۂ تنافس اپنے فطری حدود میں رہے تو انسانی تمدن کے لیے بڑی نعمت ہے اسی سے تمدن میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: **المال والبنون زینۃ الحیاۃ الدنیا** (کہف:۴۶) (مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں) مال اور جذبۂ تنافس فساد کا موجب اس وقت بنتے ہیں جب حد سے نکل جاتے ہیں لہٰذا اسلام نے مال کی قدر کی ہے اور اسی فطری انسانی جذبہ کی ہمت شکنی نہیں کی۔ فرمایا: **وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ ولاتنس نصیبک من الدنیا** (اللہ نے تمہیں جو عطا کیا ہے اس سے آخرت کا نفع چاہو اور دنیا کا اپنا حصہ نہ بھولو (القصص:۷۷) چونکہ مال ایک نعمت الٰہی اور انسان کے ہاتھ میں اللہ کی امانت ہے اس لیے مال کی حفاظت، نشوونما اور اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کی اسلام حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ جان ومال کی حفاظت کے لیے اہل ایمان کو ہر اس حرکت وعمل سے دور رہنے کا پابند بنایا گیا ہے جس میں ان کی جان ومال کو خطرہ لاحق ہوتا ہو، اس سلسلہ میں قرآن وسنت میں بہت سے نصوص وارد ہوتے ہیں: **ولا تلقوا بأیدیکم إلی التھلکۃ** (البقرۃ:۱۹۵) اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

**من قتل دون مالہ فھو شھید** (جو اپنے مال کی حفاظت میں لڑتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے (بخاری کتاب المظالم والغصب باب من قاتل دون مالہ)

ڈاکٹر محمد شوقی الفنجری نے اسلامی معاشیات کی ماہیت بیان کرتے ہوئے اس کی اصولیات میں پہلی اصل یہ قرار دی ہے کہ مال

اصلا اللہ کا ہے، انسان کی حیثیت امانت دار کی ہے۔ **وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیه** (جس کے تم امانت دار بنائے گئے ہو اس میں سے خرچ کرو (الحدید:۷) دوسری اصل یہ ہے کہ معاشرہ کے ہر ہر فرد کو بقدر کفاف روزی ملنی چاہیے۔ **وفی أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم.** (معارج:۲۴-۲۵)

اسلامی حکومت اس کی ضمانت دیتی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: **من ترک کلاً فإلی فأنا مولا.** (مستدرک) یعنی جس نے کمزور اولاد چھوڑی اس کا ذمہ دار میں (معاشرہ، حکومت) ہوگا تیسری اصل یہ ہے کہ سماجی عدل وانصاف کی ضمانت دی جائے اور معاشرہ کے افراد میں معاشی توازن برقرار رکھا جائے جیسا کہ **کیلایکون دولة بین الاغنیاء منکم.** (الحشر:۷) تاکہ مال کی گردش تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ رہے اسے معلوم ہوتا ہے (الوجیز فی الاقتصاد الاسلامی ص:۱۱-۱۲-۱۳/محمد شوقی الفنجری دار الصحوۃ، قاہرہ:۱۹۸۵)

قرآن میں ۳۰/ سے زیادہ مقامات پر اقامت صلاۃ (حقوق اللہ کی ادائیگی) کے ساتھ ایتائے زکوٰۃ (حقوق العباد کی ادائیگی) اور ۷۰/ سے زیادہ مقامات پر انفاق کا ذکر ہے یہ ہے اسلام میں انسان کے معاشی مسئلہ کی اہمیت آج مسلم روایتی مذہبی فکر زکوٰۃ کو اسلام کا پانچواں رکن قرار دیتی ہے جبکہ قرآن کریم اس کا درجہ کلمہ ونماز کے فوراً بعد رکھتا ہے!!

غربت کے ازالہ کیلئے کفالت عامہ اور اجتماعی عدل (Social Justice) پر بڑا زور دیا گیا ہے اور حکومت سے پہلے خود معاشرہ کے ہر ہر فرد پر یہ ذمہ داری عاید کی گئی ہے کہ وہ اس مقصد شرعی کے حصول کے لیے کوشاں ہو۔ اس کی صورت کمیونزم کی طرح یہ نہیں رکھی گئی کہ حکومت تمام املاک پر قابض ہو کر قوم کے ایک ایک فرد کو اپنا ملازم بنالے اور اس جبری محنت کے صلہ میں انہیں روٹی کپڑا مکان وغیرہ فراہم کرے بلکہ اس کی ''یہ صورت رکھی گئی کہ فرد حدود شریعت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ کمائے، اپنی ضرورت پر کم سے کم خرچ کرے اور جو زائد از ضرورت ہو وہ معاشرہ کے نسبتاً پس ماندہ اور نادار لوگوں کو منتقل کر کے انہیں اوپر اٹھنے میں مدد دے'' بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین شہید صفحہ:۲۹) شریعت نے اس قسم کی معاشی جدوجہد کو جس سے ہر فرد معاشرہ کا معاشی تحفظ ہو جہاد فی سبیل اللہ کی مثل قرار دیا ہے:

غربت اور فقر وفاقہ کا مسئلہ بھی ہمیشہ سے چلا آرہا ہے انسانی تمدن کسی دور میں بھی اس سے خالی نہیں رہا اسی طرح انسانی تاریخ میں ایسے عناصر بھی ہمیشہ موجود رہے جو انسانی مساوات ومواسات کے قائل اور تنگ دستی وحرمان نصیبی سے لوگوں کو نجات دلانے کے لیے کوشاں رہے۔ آسمانی مذاہب کی کتابوں میں بھی اس قسم کی تعلیمات موجود ہیں کہ: ''جو مسکین کا نالہ سن کر اپنے کان بند کر لیتا ہے وہ بھی نالہ کرے گا اور کوئی نہ سنے گا، پوشیدگی میں صدقہ دینا قہر کو ٹھنڈا کرتا ہے (امثال:۲۱) جو نیک نظر ہے برکت پائے گا کیونکہ وہ اپنی روٹی میں سے مسکینوں کو دیتا ہے (امثال:۲۲:۹) اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ (متی ۵:۴۲) یوسف القرضاوی فرماتے ہیں: ''غالباً کسی نبی کی دعوت بھی زکوٰۃ کے پہلو سے خالی نہیں رہی'' کیونکہ سابق انبیاء کے تذکرہ میں بھی قرآن اقامت صلاۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر کرتا ہے مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا: **واذکر فی الکتاب اسماعیل إنه کان صادق الوعد وکان رسولا نبیاً وکان یأمر أهله بالصلوٰة والزکوة وکان عند ربه مرضیا** (مریم: ۵۴-۵۵) اس کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کر، وہ وعدے کے بڑے ہی سچے اور رسول ونبی تھے وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور تھے بھی اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ اور مقبول'' ایک جگہ مختلف انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کے بعد یہی بات کہی گئی ہے (دیکھیں الانبیاء:۷۳) بنی اسرائیل سے بھی ان چیزوں کا عہد لیا گیا (دیکھیں البقرہ:۸۳) تاہم ان تعلیمات کے باوجود عملا

غریبوں کا بہت ہی برا حال تھا مزید وجدی کے الفاظ میں ''جس قوم پر بھی نظر ڈالی جائے دو ہی طبقے نظر آتے ہیں تیسرا نہیں ایک خوش حال طبقہ اور دوسرا تنگ دست۔ خوش حال طبقہ خوب تنومند ہوتا رہا اور غربت طبقہ لاغر ہوتے ہوتے زمین سے چمٹ کررہ گیا'' (اسلام میں زکوٰۃ کا مقام یوسف القرضاوی ترجمہ وتلخیص شمس پیرزادہ ادارہ دعوت القرآت ممبئ صفحہ:۱۳)

ایسے میں اسلام آیا اور اس نے غربت کے مسئلہ کا جامع حل پیش کیا۔ انفاق اور نفلی صدقات کے ذریعہ سائلوں محروموں اور غریبوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی اور اس چیز کی طرف خود مکی دور میں بہت توجہ دلائی حالانکہ وہ تشریعی دور نہ تھا۔ سورہ مدثر ابتدائی دور میں نازل ہوئی اس میں ایک جگہ کفار کے دوزخ میں جانے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے ۔**لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین** (۴۳-۴۴) سورہ حاقہ میں ہے اصحاب شمال (بائیں ہاتھ والے) کو دوزخ میں اس وجہ سے داخل کیا جائے گا کہ وہ ''**إنہ کان لایؤ من باللہ العظیم ولایحض علی طعام المسکین**'' (۲۳-۳۴) وہ نہ ایمان رکھتے تھے نہ مسکین کو کھانا کھلانے پر آمادہ کرتے تھے) سورہ فجر میں اہل جاہلیت کو خطاب کرکے فرمایا: **کلابل لاتکرمون الیتیم ولاتحاضون علی طعام المسکین**. (۱۷-۱۸) ان آیات میں مختلف پیرایوں میں محتاجوں وغیریبوں کو خود کھانا کھلانے، دوسروں کو اس کی ترغیب دینے، ان کے مسائل کی طرف توجہ دینے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ متقیوں کا نمایاں وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کو اپنی ہی ملک نہیں سمجھتے بلکہ اس میں ایک حصہ محتاجوں کا بھی ہے (ذاریات:۱۹) اس طرح مکی دور میں مسلم معاشرہ جو بہت قلیل بھی تھا اور مظلومیت کی حالت میں تھا کفار مکہ کے ظلم وجبر وفتنہ (Persecution) کا شکار تھا، کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کردی گئی کہ اقامت صلاۃ (حقوق اللہ کی ادائیگی) کے ساتھ ہی اقامت زکوٰۃ (حقوق العباد کی ادائیگی) بھی ان کے دین کا بنیادی حصہ ہے۔ وہ دعوت توحید کے ساتھ ہی ایک صالح نظم معیشت کے بھی علمبردار ہیں اور کمزوروں وغریبوں کی امداد وتعاون وازالہ غربت ان کے مشن کا لازمی حصہ ہے۔ پھر مدنی دور میں باقاعدہ زکوٰۃ کی تشریع کرکے اس کے مفصل احکام کی نہ صرف وضاحت کی گئی بلکہ معاشرہ پر اس کا نفاذ کرکے عملاً یہ نظام معیشت برپا کردیا گیا۔

دنیا میں بالعموم معاشی جدوجہد کو دنیا داری خیال کیا جاتا اور روحانیت وصالحیت کے خلاف سمجھا جاتا ہے تجرد تفرد اور گوشہ نشینی وترکِ دنیا کو مذہبی زندگی کا لازمہ تصور کیا جاتا ہے لیکن اسلام نے اس تصورِ مذہب کی جڑ کاٹ دی۔ نبی ﷺ فقر وفاقہ کو سخت ناپسند فرماتے ہیں (**کادالفقر أن یکون کفراً** آپ ﷺ بھوک سے اور کمر توڑ فاقہ سے پناہ مانگتے ہیں (**أعوذ باللہ من الفقر** (**نسائی کتاب الاستعاذہ باب: ۱۴**) اسی طرح **أعوذ باللہ من الجوع** بھی منقول ہے (**ابن ماجہ کتاب الاضاحی**) آپ فرماتے ہیں: **لارھبانیة في الاسلام** (اسلام میں ترک دنیا اور جوگ نہیں) (**مسند احمد بن حنبل.** جلد۶ صفحہ:۲۲۶) اسی طرح مسنون دعاؤں میں قرض سے غلبہ رجال سے پناہ بھی ثابت ہے (مسند احمد جلد ثالث صفحہ:۳۸) صاحب مال اور صاحب علم دونوں کی آپ نے فضیلت بیان فرمائی جو اپنے مال اور علم کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں سے دشمن حسد کرتے ہیں (بخاری کتاب العلم باب: ۱۵، مسند احمد جلد۴ ص: ۱۰۵) ان صحیح احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس دین میں رہبانیت نہیں زندگی اور اس کے مسائل سے فرار اور گریز کی تعلیم نہیں مسلمان کا حقیقی مطمح نظر یقینی طور پر آخرت کی زندگی ہے لیکن اس کے لیے ترک دنیا کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام دنیا کو آخرت کی کھیتی (**الدنیا مزرعة الآخرة**) قرار دیتا ہے وہ تعلیم دیتا ہے کہ صرف آخرت کی بھلائی نہیں بلکہ دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی مانگی جائے۔

ربتا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار (البقرة: ۲۰۱) مذکورہ بالا نصوص سے اس متصوفانہ وراہبانہ تصورِ زندگی کی نفی ہوجاتی ہے جس میں فقر وفاقہ ہی کو اصل مطلوب قرار دیا جاتا ہے۔ یہ نبوی تعلیمات واصول مسلمان معاشرہ کو حرکت وعمل پر اور فقر وفاقہ ومحتاجی کی حالت سے نکلنے پر ابھارتے اور دنیوی جدوجہد کے لیے ذہنی طور پر تیار کردیتے ہیں۔

ازالہ غربت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک قدم یہ اٹھایا کہ وہ گداگری اور بھیک مانگنے کا انسداد کرتا ہے جہاں وہ روحانی قدروں کے فروغ، عقائد کی اصلاح سماجی تعلقات کی تنظیم خاندان کی بہتر تربیت اور بچوں کی اچھی نشوونما وتعلیم وتربیت پر زور دیتا ہے وہیں معاشی ترقی کے میدان میں جدوجہد کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے تندرست وتوانا آدمی کشکولِ گدائی لیے پھرے اور دست سوال دراز کرے یہ اس کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے گداگری تکریم انسانیت کے خلاف ہے اہل ایمان کو دینے والا ہونا چاہیے نہ کہ لینے والا الید العليا خير من اليد السفلى گداگری کی مذمت میں متعدد احادیث وارد ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: سوال کرنے والے کے چہرہ سے حسن ونور غائب ہوجاتا ہے ایسا آدمی کل کو جب خدا کے روبرو پیش ہوگا تو اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا وليس في وجهه مزغة لحم (مسلم كتاب الزكوة باب الاستعفاف عن المسئلة) اور فرمایا: مانگنے والا کبھی سیر نہیں ہوتا كالذى يأكل ولا يشبع مزید فرمایا: جو آدمی مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ انگاروں کا سوال کرتا ہے کم کرے یا زیادہ (مسلم كتاب الزكوة باب النهى عن المسئلة) آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تعلیم دی: ولا تسألوا الناس شيئاً (لوگوں سے کچھ نہ مانگو) اس حدیث کے راوی عوف بن مالک اشجعیؓ کہتے ہیں کہ جن صحابہؓ سے آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا ان کا حال یہ تھا کہ کوڑا بھی گر جاتا تو وہ کسی سے اٹھا کر دینے کا سوال بھی نہ کرتے (سقط سوط أحدهم فما يسأل أحداً يناوله إياه) (حوالہ سابق) یہ تو اس معاملہ کا سلبی پہلو تھا۔ اس کا ایجابی پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حصول معاش کے لیے جہد وعمل اور کسب وسعی پر آمادہ کیا ہے اس پر ابھارا ہے مسلم روایتی مذہبی فکر یہ سمجھی ہے کہ عمل صالح نماز روزہ کرنے عبادات کی ادائیگی اور اوراد وظائف میں مشغول رہنے سے عبارت ہے لیکن برصغیر کے ایک اہم قرآنی مفکر مولانا فراہیؒ عمل صالح کی تشریح یوں کرتے ہیں: ''جو انسان کے لیے زندگی اور نشوونما کا سبب بن سکے اور جس کے ذریعہ انسان ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکے جو اس کی فطرت میں ودیعت ہیں (بحوالہ تدبر قرآن: ۵۳۶/۸)

کسب حلال اور عمل کی اہمیت اس سے زیادہ کس چیز سے ظاہر ہوگی کہ قرآن کریم میں تقریباً ۳۶۰/ ایسی آیتیں ہیں جو عمل کی اہمیت عاملین کے حقوق وواجبات بیان کرتی ہیں خود قولی وعملی سنت وتعامل صحابہؓ بھی اس کی اہمیت پر دلالت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ما أكل طعاماً قط خيراً من أن يأكل من عمل يده (بخاري) کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا ہرگز نہیں کھایا اور فرمایا: وإن نبى الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يده، اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے عملی سنت یہ ہے کہ آپ ﷺ خود ہاتھ سے کام کرتے اور اس کو پسند فرماتے، آپ نے چند قیراطوں (ایک پیمانہ) پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں (بخاری کتاب الاجارۃ) مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک ہوئے، خندق کی کھدائی میں بنفس نفیس حصہ لیا۔ نبوت سے پہلے تجارت فرماتے، گھر کی صفائی کرتے، اپنے جانور کو چارہ دیتے، آٹا گوندھنے میں خادم کا ہاتھ بٹاتے بازار سے سودا سلف بھی لاتے (نبی رحمت ص: ۲۵۷) اور سیرت کی اور کتابیں) آپ ﷺ کی ان تعلیمات واسوۂ حسنہ کے اثر سے مدنی معاشرہ بے کاری وتعطل سے یکسر خالی ہوگیا تھا۔ مہاجرین بازار میں مشغول رہتے۔ انصار کھیتوں اور باغات میں کام کرتے، حضرت ابوبکرؓ تاجر تھے حضرت

عمرؓ بھی بازار میں مشغول رہتے تھے۔ سورہ نور کی آیت **لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ** (النور: ۳۷) کی تشریح میں مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے کہ: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ زیادہ تر تجارت پیشہ یا صنعت پیشہ تھے (معارف القرآن: ۶/۴۳)

گداگری کا انسداد کسب حلال کی فضیلت اور معاشی جدوجہد کی تاکید نیز انفاق فی سبیل اللہ پر طرح طرح سے معاشرہ کو ابھارنے کا مقصد یہ ہے کہ غربت کا ازالہ ہو اور ''مسلمان کو ایک فیاض، فراخ دل، حساس اور ہمدرد خلائق ہستی ہونا چاہیے اور اس کو کسی خودغرضانہ جذبہ سے نہیں بلکہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے بھلائی کے ہر کام میں، دین ومعاشرہ کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کھلے دل سے اپنی دولت خرچ کرنی چاہیے۔ یہ ایک زبردست اخلاقی روح ہے جسے اسلام اپنی تعلیم وتربیت سے اور اسلامی معاشرہ کے اجتماعی ماحول سے ہر فرد مسلم میں پیدا کرتا ہے تاکہ وہ جبر سے نہیں بلکہ اپنے دل کی رضا سے اجتماعی فلاح میں مددگار ہو'' (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اسلامی نظم معیشت کے اصول ومقاصد صفحہ: ۱۹)

اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ کے ہر فرد کی بنیادی ضروریات پوری ہوں کسی کو بھوکا اور بے گھر نہ رہنا پڑے عام حالات میں اپنی ضروریات کی تکمیل ہر انسان کی اپنی ذمہ داری ہے اور وہ بالعموم اسے ادا کرتا ہے لیکن بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کی کفالت اہل خاندان کو کرنی چاہیے اور جو بالکل بے سہارا ہو تو اس کی بنیادی ضروریات پوری کرنا معاشرہ کی اور ریاست کی ذمہ داری ہے نبی ﷺ نے فرمایا: **من لاولی لہ فولیہ اللہ ورسولہ** (ترمذی ابواب الفرائض ماجاء فی میراث المال) ایک اور روایت **السلطان ولی من لاولی لہ** کے الفاظ وارد ہوتے ہیں (ترمذی ابواب النکاح)

خلافت راشدہ ایک مکمل فلاحی ریاست تھی اور عام انسانوں کی کفالت، ازالۂ غربت، لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے متعلق انتہائی حساس چنانچہ علامہ عزالدین ابن عبدالسلام نے سیدنا عمر فاروقؓ کا ایک قول نقل کرکے ''لوگو! مجھ پر اللہ نے یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکوں'' کی تشریح یوں کی ہے'' اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مفہوم یہ ہے کہ امام ظالموں سے مظلوموں کو انصاف دلائے اور ان کو اس کی ضرورت نہ پڑے کہ وہ اللہ سے انصاف کے طالب ہوں'' (قواعد الأحکام في مصالح الأنام جلد ص: ۱۴۸) بحوالہ محمد نجات اللہ صدیقی مقاصد شریعت ایک عصری مطالعہ سہ ماہی بحث ونظر نئی دہلی اکتوبر دسمبر ۲۰۰۴ء) غربت کے خاتمہ اور سماجی ناہمواری کے سدباب کے لیے ہی اسلامی نظام معیشت نے یہ اصول دیا کہ دولت کسی ایک جگہ جمع نہ ہونے پائے وسائل معاش چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہوں، بلکہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور وہ گردش میں رہے **کیلا یکون دولۃ بین الأغنیاء منکم** (الحشر: ۷) اس نظام معیشت کا سب سے اہم رکن زکوٰۃ ہے: ''یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے یہ ان کے بے کاروں کا سرمایہ عنایت ہے یہ ان کے معذوروں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں اور بے روزگاروں کا ذریعہ پرورش ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کردیتی ہے اس کا سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ آج تم مال دار ہو تو دوسروں کی مدد کرو، کل تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا؟ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہوگا؟ کوئی آفت ناگہانی آپڑی بیمار ہو گئے گھر میں آگ لگ گئی سیلاب آگیا، دیوالیہ نکل گیا تو ان مصیبتوں سے مخلص کی کیا سبیل ہوگی؟ سفر میں پیسہ پاس نہ رہا تو کیونکر گزر بسر ہوگی؟ ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تم کو ہمیشہ کے لیے بے فکر کردیتی ہے'' (مولانا مودودیؒ سود صفحہ: ۳۱-۳۲ طبع اولیٰ ۱۹۹۸ء مرکزی مکتبہ)

ازالہ غربت کے سلسلہ میں اسلامی معیشت نے قرض حسن کی

اسکیم بھی وضع کی ہے فرمایا: **من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ ولہ أجر کریم** (الحدید ۱۱) کون ہے جو اپنا مال اللہ کو بطور قرض حسن دے اور اللہ اس کے مال کو کئی گنا بڑھا دے اس کے علاوہ اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔ اس آیت کے ضمن میں کبار مفسرین کرام نے قرض حسن کی ۹ رشرائط بیان کی ہیں جو یوں ہیں اور وہ سب قرآن سے ہی ماخوذ ہیں۔

۱- مال کا اچھا حصہ دیا جائے (ملاحظہ ہو البقرہ:۲۶۷)

۲- ایسے اموال میں سے ہو جن کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے (الحشر:۹)

۳- شدید ضرورت منداور محتاج افراد کو دیا جائے (البقرہ:۲۷۳)

۴- پوشیدہ طور پر دینا زیادہ بہتر ہے (البقرۃ:۲۷۱)

۵- اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ دیا جائے (البقر:۲۶۵)

۶- جو کچھ دیا جائے اسے کم ہی سمجھا جائے (المدثر:۶)

۷- پسندیدہ اور محبوب مال میں سے دیا جائے (آل عمران:۹۲)

۸- مال کو اپنی ملک نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ اللہ کی ملک ہے وہی دینے والا ہے، ذریعہ مجھے بنا دیا ہے (الحدید:۷)

۹- حلال مال دیا جائے (المائدہ ۱۷۱)

یہ شرائط لگانے والے مفسرین میں ابوعلیٰ فضل بن حسن طبری (۲:۵۴۸) ابوعبداللہ محمد بن احمد:۶۶۸) اور فخر الدین محمد بن ضیاء الدین الرازی:۶۰۶) جیسے کبار ائمہ و بزرگان شامل ہیں۔

سورہ البقرہ میں مختلف اسالیب اور پیرایوں میں تعاون وانفاق فی سبیل اللہ پر ابھارا گیا ہے اور بڑے شدومد سے کمزوروں وغریبوں کی مدد کی تعلیم دی ہے (ملاحظہ ہو آیات: ۲۶۱-۲۶۲-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷ -۲۶۸-۲۷۰-۲۷۱/ ان آیات کے حوالہ سے عبداللہ العمادی لکھتے ہیں: ''اسلام کے قانون اساسی یعنی قرآن کریم نے اس مسئلہ پر کافی توجہ کی ہے اور تصریح کر دی ہے کہ اسلام کا جز واعظم یہ ہے کہ معقول پیرایہ میں حاجت مندوں کی حاجت روائی کی جائے، وحی الٰہی نے اسی قاعدہ کو اسلام کا اصولی قاعدہ قرار دیا ہے اور علمی زبان میں اس کا نام اصول تعاون رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی پابندی کی نسبت مسلمانوں کو اتنی تاکید کی ہے کہ بہت کم فرائض کی نسبت ایسے جوش وخروش کے احکام ہوں گے (ترجمان القرآن مطابق مئی جون ۱۹۴۰ء جلد ۱۶ عدد ۴۳) لاہور مدیر اعلیٰ ابوالاعلی مودودیؒ) مذکورہ بالا شرعی نصوص سے اس حقیقت کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اسلامی معیشت غربت کا ازالہ چاہتی ہے اور مسلمانوں سے بیش از بیش معاشی جدوجہد کا مطالبہ کرتی ہے۔ غربت اور فقر وفاقہ کی زندگی اسلام میں مطلوب نہیں ہے۔ ان تعلیمات کی روشنی میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمان معاشی تگ ودو میں سب سے آگے ہوتے اور دنیا کے امام بنتے لیکن فکری، علمی وعملی زوال وانحطاط کے باعث آج وہ ہر اعتبار سے دنیا کی سب سے زیادہ پس ماندہ قوم ہیں!! ۱۹۸۰ء میں کینتھ ڈیوڈ نے عالمی بینک کے لیے دنیا کے مختلف مذہبی معاشروں کی علمی ومعاشی حالت کا ایک سروے کیا تھا جو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔ اس کی پیش کردہ تفصیلات مسلمانوں کے لیے بڑی عبرت انگیز اور سبق آموز ہیں۔ اس کے مطابق دنیا کی ۱۳۰/ کروڑ مسلم آبادی کے نصف حصہ میں (جو غریب ممالک پر مشتمل ہے) قومی آمدنی کا فی کس اوسط (Percapita G.N.P) اس وقت یعنی ۱۹۸۰ء میں تقریباً ۲۰۰ ڈالر سالانہ تھا۔ نسبۃً امیر ممالک میں یہ اوسط ایک ہزار ڈالر تھا اس کے مقابلہ میں عیسائی دنیا (کل آبادی ۲۳۰/ کروڑ) کی نصف سے زائد آبادی کی فی کس اوسط آمدنی سات ہزار ڈالر تھی جبکہ باقی کی تین ہزار ڈالر۔ ۱۹۸۰/ کے بعد دنیا میں معاشی ترقی تیزی کے ساتھ بڑھی چنانچہ UNDP کی ۱۹۹۶ء کی رپورٹ کے مطابق یورپ میں یہ اوسط ۲۲ ہزار ڈالر فی کس تھا اور بقیہ عیسائی سماج میں ۱۰/ ہزار ڈالر جبکہ غریب مسلم ممالک میں ۲۰۰ سے بڑھ کر محض ۳۸۰ ڈالر اور امیر ممالک میں

ایک سے بڑھ کر دو ہزار ہو گیا'' (ملاحظہ ہو ڈاکٹر اقتدار فاروقی کا مضمون دنیائے اسلام کی علمی و معاشی پستی تہذیب الاخلاق مارچ ۲۰۰۴ء)

یہ عالمی منظر نامہ تھا ملکی تناظر میں بھی مسلمانوں کی پوزیشن اس سے مختلف نہیں ہے۔ اقلیتی کمیشن کا اندازہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں ۱۰/گنا پس ماندہ ہیں اقلیتی شکایات ومسائل کا جائزہ لینے کیلئے بعد گوپال سنگھ پینل بنایا گیا تھا، ۱۴/ جون ۱۹۸۳ء کو اس نے وزارت داخلہ کو اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ: ''مسلمان بحیثیت گروہ تمام پہلوؤں سے قومی اوسط کے مقابلہ میں غریب تر ہیں۔ ان کی سماجی صورت حال، اقتصادی کارکردگی، قومی امور میں شمولیت، سطح آمدنی، بچت اور سرمایہ کاری کی سطح نیز تعلیمی کارکردگی یکساں اور غیر متفرق طور پر دیگر مذہبی گروہوں اور طبقوں سے بہت کم ہے'' (طاہر بیگ زندگی نو اکتوبر ۲۰۰۵ء)

۱۹۸۳ء میں جو صورت حال تھی اس میں تھوڑا سا فرق تو ضرور پڑا ہے تعلیمی صورتِ حال بہتر ہوئی ہے اور معیشت پر بھی اس کا اثر پڑنا لازمی ہے لیکن مجموعی صورتِ حال اب بھی ناگفتہ بہ ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان بالعموم اپنی حالت زار کو اللہ کی مرضی سے تعبیر کرتے ہیں اور روایتی مذہبی فکر تقدیر کے اس عذر لنگ کی تائید کرتی اور بڑھاوا دیتی ہے حالانکہ مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ رویہ غیر اسلامی ہے۔ اسلام کا مطالبہ خیر امت سے جہد وعمل کرنے اور انسان کی معاشی فلاح و بہبود کی ضامن بننے کا ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

# ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرہ کو کیسے متأثر کرسکتا ہے

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
استاذ حدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

حضور اکرم ﷺ نے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد شرک اور ضلالت میں ڈوبے ہوئے سماج میں توحید کی صدا بلند کی، مکۃ المکرّمہ کے شرک زدہ ماحول میں توحید کی یہ صدا بے حد نامانوس تھی اور اس کی زد براہ راست رؤسائے کفار کے موروثی دین باطل پر پڑ رہی تھی، اس لئے مخالفتوں کا ایک طوفان امڈ آیا، توحید کی صدا پر لبیک کہنے والے گنتی کے چند افراد پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، مگر ان تمام مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود قافلۂ توحید بڑھتا گیا، بالآخر مدینۃ الرسول میں ایک مثالی آئیڈیل اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔

صحابۂ کرام کا سماج ایک نمونے کا مسلم سماج تھا، اور اس کی بے شمار امتیازی خصوصیات وکمالات کی خوبیوں نے پورے عالم کو متأثر کیا اور پھر اس کے نتیجے میں مشرق سے تا بمغرب اسلام پھیلا اور اسلام کا حلقہ اور دائرہ پھیلتا اور بڑھتا گیا، مرور ایام سے پھر بعد کی صدیوں میں اس معاشرہ کی خصوصیات کم ہونا شروع ہوئیں اور پھر اس کی تأثیر اور مقبولیت کا گراف بھی نیچا ہوتا گیا، اور اب موجودہ صورتحال مسلم سماج کی یہ ہے کہ ہر طرف اخلاقی طاعون پھیلا ہوا ہے، اباحیت، عریانیت، مادّیت اور حیوانیت کے باب میں نمونے کا مقام رکھنے والی یورپی تہذیب کی دریوزہ گری اور اندھی تقلید نے تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار پر تیشے چلا ڈالے ہیں، اور بقول حافظ شیرازی:

ہمہ آفاق پر از فتنہ وشری بینم

پوری دنیا فتنہ اور شر کی آماجگاہ بنی ہوئی نظر آتی ہے، اور حدیث نبوی کے بموجب گناہوں کی بہتات اور گندگی نے تباہی کے دہانے پر کھڑا کردیا ہے، مسلم سماج کی یہ بدحالی اور بے راہ روی پورے انسان سماج کی نگاہ میں اس کی دناءت اور رذالت کی منظر کشی کرتی ہے، اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر نگاہ رکھنے والا انسان متأثر ہونے کے بجائے مایوس بددل وبدگمان اور نفور وگریزاں ہوتا ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرے کو اسی وقت متأثر کرسکتا ہے جب وہ قرنِ اول (عہد صحابہ) کے مثالی سماج کی نمایاں خصوصیات اختیار کرلے اور ان سے انحراف کو اپنے لیے تباہی کی علامت اسی طرح باور کرے جس طرح صحابۃ الرسول ان خصوصیات سے کسی بھی قیمت پر دست بردار ہونا ہلاکت کے مرادف سمجھا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام کے معاشرے کی تمام خصوصیات کا احاطہ تو دشوار ہے، تاہم ان کے روشن عناوین کچھ یوں ہیں۔

## ۱- موقف حق پر محکم یقین اور استقامت:

دل کی گہرائیوں سے حق قبول کرلینے کے بعد صحابہ کو ایسا پختہ یقین اور اپنے موقف پر ایسا ثبات واستقلال حاصل ہوجاتا تھا کہ بادمخالف کے کتنے ہی جھکڑ کیوں نہ چلیں، رکاوٹوں کا طوفان کیوں نہ آجائے اور مصائب ومشکلات کی بھٹیوں میں تپایا کیوں نہ جائے وہ کوئی لچک اور نرمی پیدا کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے، دشمنوں کی ترغیبات وتحریصات کا دام ہو یا تہدیدات وتشدیدات کی کارروائی ان کے موقف میں سرمو انحراف نہ آتا تھا اور ان کی زبانی حال یہ پیغام دیتی تھی۔

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی
مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

## ۲- جذبۂ ایثار وقربانی:

معاشرتی زندگی کی کامیابی کا راز ایثار وقربانی میں ہے، صحابۂ کرام کا سماج ایثار وقربانی کا آئیڈیل سماج تھا، قرآن انصار صحابہ کے جذبۂ ایثار کو "**ویؤثرون علی أنفسهم ولو كان بهم خصاصة**" (وہ اپنی ذات پر دوسروں کی ترجیح دیتے ہیں خواہ خود اپنی جگہ محتاج کیوں نہ ہوں) کے الفاظ سے بیان کرتا ہے، سیرت صحابہ میں مالی ایثار کی بے شمار داستانیں ہیں، ہجرت نبوی کے پرخطر سفر کے موقع پر دشمنان اسلام کی طرف سے اجتماعی طور پر قتل رسول کی منظم پلاننگ معلوم ہونے کے باوجود حضرت علیؓ کا آپ ﷺ کے بستر مبارک پر آرام، اسی طرح سفر ہجرت کی دشوار گذاریوں میں حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے والہانہ طلب پر شرکت ورفاقت جانی ایثار کے عدیم النظیر نمونے ہیں، غزوات کا موقعہ ہو، حفاظت رسول کا موقعہ ہو، تحفظ دین کا موقعہ ہو، ملت کی خدمت کا موقعہ ہو، ہر موڑ پر صحابہ کی قربانیوں اور ایثار کے ریکارڈ موجود ہیں، اور اسلام سے محروم انسانی سماج پر صحابہ کے اس جذبے نے کیا کیا اثرات مرتب کئے اور کس طرح وہ اسلام سے قریب آیا یہ بالکل واضح ہے۔

## ۳- نافعیت اور مواسات:

سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہونچائے، مسلمان وہی ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے انسان محفوظ رہیں، مؤمن وہی ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے سلسلے میں مامون وبے خوف ہیں اللہ کا سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان بنیادوں پر آپ ﷺ نے اسلامی معاشرہ قائم فرمایا تھا، صحابہ کے معاشرے کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ یہی انداز اپنائے رکھا کہ ؎

مری زبان وقلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی کو شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ سے

حضرت جابر بن عبداللہؓ کو پہلی ملاقات میں یہ نصیحت کی تھی کہ تم کبھی کسی کو برا بھلا مت کہنا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر مرتے دم تک میں نے نہ کسی آزاد کو برا کہا نہ کسی غلام کو، اور انسان تو انسان ہے کسی اونٹ اور بکری کے لیے بھی سخت کلمہ میری زبان سے نہیں نکلا، دوسروں کے درد کو اپنا سمجھنا بلکہ اپنے درد سے زیادہ اس کا احساس اور ہمہ وقت دوسروں کو نفع پہونچانے کی کوشش صحابہ کے معاشرے کا طرۂ امتیاز تھا۔

## ۴- عدل ومساوات:

قرآن ایسا ایمانی معاشرہ چاہتا ہے جو انصاف کا علم بردار اور مساوات کی روش پر قائم ہو، طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ اسلام کی نگاہ میں جاہلیت کی لعنت اور غلاظت ہے، ظلم اور ناانصافی امن عالم اور بقائے انسانیت کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، صحابہ کا معاشرہ عدل ومساوات کی شاہ راہ پر گامزن تھا، اس سماج میں ہر فرد عدل کا خوگر تھا، خواہ اس کی زد اس کی اپنی ذات یا اس کے والدین واقارب پر کیوں نہ آتی ہو، اسی طرح مساوات اور برابری کے لحاظ سے بھی وہ معاشرہ نمونے کا تھا، مشہور غسانی سردار جبلہ بن ایہم جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور طواف کے دوران ایک دیہاتی مسلمان کا پاؤں اس کے تہ بند پر جا پڑا تھا، جس پر اس نے اسے اتنی زور سے مارا کہ ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہوگیا اور خون رسنے لگا، حضرت عمرؓ نے فیصلہ سنایا کہ یا تو بدو کو راضی کرو یا قصاص کے لیے تیار ہوجاؤ، جبلہ نے لاکھ نرمی کا معاملہ کرانا چاہا مگر

حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسلام شاہ وگدا کا فرق نہیں کرتا، اس کا قانون عام مساوات کا قانون ہے بالآخر جبلہ نے کچھ مہلت لی اور راتوں رات بھاگ کر پھر عیسائی ہوگیا، مگر اسلامی قانون عدل ومساوات پر حضرت عمرؓ نے آنچ نہ آنے دی۔

## ۵- اجتماعیت واخوت:

صحابہ کا معاشرہ باہمی الفت ومحبت میں جسم واحد کی طرح تھا، اور باہمی اتحاد واجتماعیت میں ان کی کیفیت بنیان مرصوص شیشہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھی، اوس وخزرج کی باہمی طویل خانہ جنگی اور سلسلۂ کشت وخون اسلام کی برکت سے باہمی محبت والفت میں اس طرح تبدیل ہوئی کہ منافق اور یہود مل کر بھی اس اجتماعیت میں دراڑ پیدا نہ کرسکے، اختلاف کو ہوا دینے والی چیزوں سے، ہرطرح کی بدگمانیوں اور بے جا خدشات سے اور افواہوں پر یقین کرنے سے صحابہؓ کا سماج پاک تھا، اور اسی لیے اس میں مثالی اتحاد اور اخوت کا جذبہ تھا، جو دوسروں کو حد سے زیادہ متأثر ومرعوب کرتا تھا۔

## ۶- قول وعمل کی یکسانیت:

قرآن کی صراحت کے مطابق قول وعمل کا تضاد اللہ کی نگاہ میں بے حد مبغوض عمل اور انسانی سماج کے لیے زہر قاتل ہے، معاشرے کی اصلاح کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہر فرد غازیٔ کردار ہو، حضرت عثمان غنیؓ نے اپنا اوّل خطبۂ خلافت اس حقیقت کے اظہار سے شروع کیا تھا کہ آج مسلمانوں کو غازیٔ کردار رہ نما کی ضرورت ہے نہ کہ غازی گفتار رہنما کی، عہد صحابہ قول وعمل کی یکسانیت میں ممتاز تھا، اور اس معاشرے کا ہر فرد جو کہتا تھا سب سے پہلے اس پر عمل کرکے دکھاتا تھا، چنانچہ اس کی تأثیر یہ سامنے آتی تھی کہ گروہ در گروہ لوگ آکر اسلام کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔

## ۷- پاکیزگی:

اسلام کا مطالبہ انسان سے ہمہ جہتی پاکیزگی کا ہے، صحابہ کا معاشرہ سر سے لے کر پیر تک پاکیزگی کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، ان کے دل ودماغ باطل خیالات اور باطنی امراض سے پاک تھے، ان کی نگاہ پاکیزہ تھی، ان کی خوراک وپوشاک پاک تھی، ان کا ماحول ظلم اور عریانیت سے پاک تھا، ان کی انفرادی زندگی کا ہر پہلو اور گوشہ پاکیزہ تھا، ان کی زبان پاک تھی، اور ان کی سیاست بھی مکر وفریب سے پاک تھی، شراب کی رسیا عرب قوم کو جب اس کے ناپاک وحرام ہونے کا علم ہوا تو پورا مدینہ شراب کی لعنت سے پاک ہوگیا، تاریخ صحابہ پاکیزگی کے بے شمار ہمہ جہتی نمونوں سے مالا مال تاریخ ہے۔

## ۸- ادائے حقوق:

اسلام نے بندگان خدا پر حقوق عائد کئے ہیں، اللہ کے حقوق کی الگ فہرست ہے، اور بندوں کے حقوق کی الگ، بلکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی نسبتاً زیادہ اہم قرار دی گئی ہے، صحابہ کی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جو اہتمام نظر آتا ہے وہ بے نظیر ہے۔

صحابۂ کرام کے قرآنی، ربانی اور ایمانی معاشرے کی بے شمار خصوصیات کے یہ روشن خطوط ہیں، اسلئے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ ان خصوصیات کو اپنائے بغیر اور اسوۂ صحابہ کی پیروی کئے بغیر انسانی معاشرے کو نہ تو متأثر کرسکتا ہے اور نہ اپنی عملی زندگی میں کامیابی اور سعادت سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

# صالح انسانی معاشرہ کی تشکیل اسلامی معاشرہ کرسکتا ہے

مفتی محمد ارشد فاروقی
سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند

## مکمل عملی اسلامی معاشرہ

جو اسلامی معاشرہ عالمی تاریخ پر بھرپور اثر انداز ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز ثابت ہوا اور انسانی معاشرہ کے لئے پاور ہاؤس بن گیا، بجلی سپلائی ہوتی رہی، انسانی معاشرہ جگمگا اٹھا، وہ اسلامی معاشرہ جو مثالی اور سب سے زیادہ طاقتور مؤثر رہا وہ زمانۂ نبوت میں بنا اور خلفائے راشدین کے دور میں پھلا پھولا اس شجر سایہ دار کی چھاؤں میں سارا انسانی معاشرہ ہمہ جہت کامیابی و کامرانی اور سعادت سے ہمکنار ہوا یہ ثمرہ تھا **یأیھا الذین آمنوا ادخلو في السلم کافة و لا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین** (البقرۃ:۲۰۸) پر مکمل عمل کا۔(اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے) اس دور میں جو محروم القسمت رہے اور مسلمان نہ ہو سکے وہ بھی احکام اسلام قوانین شریعت کے تابعدار رہے اور ظاہری عادات واطوار پر اسلام کا گہرا اثر رہا۔

## مکمل علمی اسلامی معاشرہ

دور خلافت کے بعد سے آج تک اسلام اپنی تمام تر تعلیمات وخصوصیات کے ساتھ کتابی و علمی شکل میں مکمل موجود ہے اور قیامت تک رہے گا اور **لیظھرہ علی الدین کلہ** کا ظہور بھی ہوا اور ہوگا۔

لیکن جہاں تک بات ہے مکمل اسلامی معاشرہ کے وجود کی تو اس سلسلہ میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ساتھ پیش آیا واقعہ باعث عبرت ہے۔

## زار روس کا تجزیہ

حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ نے ہمیں سنایا کہ جب آزادئ ہند کی تحریک کے سلسلہ میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ مختلف ممالک کے سربراہوں سے ملتے ہوئے زار روس سی ملے اور طویل ملاقات میں مولانا نے فلسفۂ اسلام کو مدلل ومکمل اسلوب میں زار کے سامنے پیش کیا تو اس نے اسلام کے اصولوں خوبیوں اچھائیوں کو تسلیم کیا اور تعریف بھی کرتا رہا جس سے مولانا کی امید بندھی۔ لیکن تقریر دلپزیر سننے کے بعد اس نے پوچھا۔ مولانا ہمیں یہ بتائیے کہ دنیا کے کسی خطۂ زمین پر آپ کے پیش کئے ہوئے اسلامی نظام کا عمل دخل ہے؟ کہاں یہ مذہب مکمل رائج ہے؟ مولانا عبید اللہ سندھی نے کہا زار روس کا یہ سوال سنتے ہی میرے پیر تلے کی زمین نکل گئی میں ہکا بکا رہ گیا۔ اس صدمہ سے میں مدتوں چور چور رہا۔

## ہر اسلامی عمل کی قوت تاثیر

اللہ نے اسلام کی ہر تعلیم میں اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھی

ہے اس طرح اسلام کے جس جزء پر عمل پیرا ہو یا جائے گا اس کے اثرات محسوس وغیر محسوس طریقے پر ماحول پر پڑیں گے۔ جیسے نیک عمل کے معنوی اثرات معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں صبح سویرے مناروں سے اذانوں کی گونجتی آوازیں پرسکون فضا میں لہریں پیدا کرتی ہوئیں سکون وطمانیت ماحول میں رچاتی بساتی عرش رحمٰن پر پہنچتی ہیں (الیہ یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفع) یہی کیفیت تمام نیک اعمال کی ہے۔

## انسانی معاشرہ کے تحفظ کا ضامن

یہ نیک اعمال انسانی معاشرہ پر معنوی طریقے پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں اور مختلف آفات ومصائب سے ان صالح پاکیزہ اثرات کی بدولت محفوظ رہتے ہیں۔

## اہم شخصیات کے تبصرے

راقم نے حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ سے سنا وہ فرمارہے تھے ایک صاحب حلقہ بگوش اسلام ہوئے لوگوں نے ان سے انٹرویو لیا کہ آپ کو اسلام کی کس خوبی نے متاثر کیا؟ نومسلم بہت بھولا بھالا معصوم صفت تھا اس نے برجستہ جواب دیا مجھے مسلمانوں کے ایک ذائقہ دار پکوان ''پلاؤ'' نے متاثر کیا اور میں مسلمان بن گیا۔

جب بات ''پلاؤ وبریانی کی آ گئی تو ایک بات باعث عبرت اور سہی روز نامہ راشٹریہ سہارا کے نمائندے سے گفتگو فرماتے ہوئے مولانا سعید الرحمٰن ندوی مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے فرمایا اس ملک پر مسلمانوں نے آٹھ نوسو سال حکومت کی اور باشندگان ملک کو اذان ونماز بھی نہیں سمجھا سکے اس کے برخلاف پلاؤ اور قرمہ کی ذائقہ داران گنت قسمیں نت نئے پکوان رائج کر گئے۔

ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ تاجروں کا ایک کارواں بھروچ (گجرات) پہنچا ان کی تجارت کا چرچا پورے شہر میں ہونے لگا راجہ تک خبر پہنچی اس نے محل میں لوگوں کو بلایا اور اپنا مہمان بنالیا کچھ دنوں کے بعد راجہ نے مہمانوں سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کو کوئی پریشانی تو نہیں؟ مہمانوں نے کہا ہمیں ہر راحت مہیا ہے صرف نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لیے مسجد نہیں ہے۔ یہ سن کر راجہ نے حکم دیا جنگی پیمانہ پر مسجد بنادی گئی۔

## تاریخ ساز کردار

ان نووارد مسلمانوں کے کردار کا یہ اثر تاریخ ساز ہے اور معاشرہ پر چھاجانے کی بے پناہ قوت رکھتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنے مقابل کو پچھاڑ دینے کے بعد چھوڑ دینے کا واقعہ بہت مشہور ہے جب مقابل نے وجہ معلوم کی تو آپ نے بتایا تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میں نے یہ سوچا کہ اگر تجھے قتل کردوں تو کہیں ذاتی انتقام نہ ہوجائے جبکہ میری لڑائی تجھ سے صرف اللہ کے لئے ہے۔ یہ انمول بول سنتے ہی اس نے کلمہ پڑھ لیا۔

ان واقعات میں مسلم افراد کی معاشرہ پر اثر اندازی کارفرما ہے مسلم معاشرہ نے تو انسانی معاشرے کی تہذیب وثقافت بلکہ زبان تک کو بدل ڈالا ہندوستان میں سرکاری زبان فارسی مسلم حکمرانوں ہی کی وجہ سے رہی

## مقدور بھر کوشش

ہندوستانی مسلمانوں کی اولیں ذمہ داری ہے کہ وہ صالح معاشرہ تشکیل دیں تاکہ یہ صالح معاشرہ ہندوستانی معاشرے پر اثر انداز ہوسکے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ہندوستان کے دستور کو سامنے رکھتے ہوئے عملی اعتبار سے اسلام کی تعلیمات پر جس قدر عمل کرنا اختیار میں ہے اس پر پوری قوت کے ساتھ پابندی کے ساتھ عمل شروع کردے۔

جیسا کہ ساعدیؒ کا واقعہ ہے کہ انہیں جیل میں بند کردیا گیا، وہ جمعہ کی نماز کی مکمل تیاری کرتے جیل کے دروازے تک آتے بند تالے کو

ہلاتے واپس جاتے ظہر پڑھ لیتے۔لوگوں نے پوچھا حضور والا آپ کے اس عمل کی وجہ کیا ہے؟ ساعدی فرمانے لگے جب جمعہ کی ندا سنتا ہوں تو سعی (لپک کر آنا) واجب ہوجاتی ہے میرے اختیار میں جمعہ کی تیاری کر کے جیل کے دروازے تک جانا ہے۔تو جو میرے اختیار میں ہے اس کا میں مکلّف ہوں غیر اختیاری چیز کا مکلّف نہیں ہوں۔

## اللہ کی مدد

ساعدی کے فلسفہ پرعمل کرتے ہوئے اسلامی معاشرہ ہندستان میں تشکیل پائے تو برادران وطن پر اثر انداز ہوا اور اللہ کی مدد آئے۔

## خاموش اثر اندازی

انسانی معاشرہ پر اسلامی معاشرہ کے اثرانداز ہونے کا ایک خاموش طریقہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کی اچھائیوں خوبیوں اور زمانہ کے مسائل کے حل کرنے کی صلاحیتوں کو دیکھ کر لوگ اثر قبول کریں خواہ فرد سے متأثر ہوں یا معاشرہ سے۔

## خدمت خلق، تعلیمی طبی مراکز

اسلامی معاشرہ کے اثر انداز ہونے کا ایک اہم طریقہ خدمت خلق کے مواقع کا رانسانی معاشرہ کے سامنے پیش کرنا ہے **خیر الناس من ینفع الناس** کے فلسفہ پر اس کی بنیاد ہے۔

مسلمان اچھے صاف ستھرے ہسپتال قائم کر کے انسانی معاشرہ پر اثر انداز ہوسکتے ہیں

میڈیکل کالج چلا کر اپنی نافعیت کو عام کرسکتے ہیں۔

بنیادی تعلیم کے کامن اسکول کالج یونیورسٹی کے ذریعہ خیر کے دروازے کھول سکتے ہیں۔

پڑوسی کے اسلامی حق کو ادا کر کے دل جیت سکتے ہیں پڑوسی کا تعلق خواہ کسی مذہب سے ہو۔

اسکارٹ ٹیم بھی بہترین ذریعہ ہے۔

## خوشبودار پھول

مسلمان انسانی معاشرہ کے سامنے خود کو ایک ''خوشبودار پھول'' پیش کرے جس کی مہک سے معاشرہ معطر ہوجائے۔

خدمت خلق کے تمام طریقوں کو اسلامی معاشرہ اپنا کر انسانی معاشرہ کو متأثر کرسکتا ہے۔

## دعوت و پروپیگنڈہ

**ڈائیلاگ سیمینار سمپوزیم:** انسانی معاشرہ کو خاموش عمل وکردار اور کیرکٹر سے متأثر کرنے کے علاوہ دوسرا اہم طریقہ دعوت و پروپیگنڈہ ہے۔ جس کی مختلف شکلیں اور قسمیں ہیں۔کبھی انفرادی دعوت تو کبھی اجتماعی دعوت تو کبھی مذاکرے وڈائیلاگ سپوزیم وسیمینار یہ اور زمانہ کے تمام مفید ونافع ذرائع کے ذریعہ اپنی مایۂ طریقہ حیات کو عالم کے سامنے پیش کرنا۔

## مطالعہ، حقیقت اور مغربی مفکرین کی رائے

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام انسانی معاشرہ کو مخاطب کرتا ہے دعوت فکر دیتا ہے حقیقت پسندی کے جوہر کو اجاگر کرتا ہے خواہش نفس کی عینک اتار کر اسلامی تعلیمات کو دیکھنے کی کھلی دعوت دیتا ہے۔تمام اقوام عالم ادیان وثقافتوں کو مذاکرے کی دعوت دیتا ہے۔

مشہور مستشرق ''سان سیمون'' لکھتا ہے متنوع انسانی تہذیب وتمدن کی تاریخ کا قاری یورپ کی موجودہ ترقی میں عرب اور مسلمانوں کے کردار و بلندی افکار کے دخل کا انکار نہیں کرسکتا۔ ( **علم الانسان – نظرات اسلامیه للانسان و المجتمع ۳۱ (رشدی فکار)**

اوجسٹ کونٹ لکھتا ہے اسلام کی جوہری قوت وروحانیت دیگر مذاہب کی طرح عقل انسانی سے نہیں ٹکراتی۔ بلکہ موجودہ سائنسی ترقیات وفلسفے سے بھی متصادم نہیں ہے کیونکہ اسلام انسانی بنیادی ضروریات کی

تکمیل کرتا ہے اور عقیدہ وفکر کے ساتھ شفافیت عمل کی دعوت دیتا ہے، انسانیت کو اوج کمال عطا کرتا ہے۔ (رشدی فکار: نظرات اسلامیه للانسان و المجتمع ۳۱)

''شبرل'' کہتا ہے ''انسانیت محمد ﷺ'' پر فخر کرتی ہے کہ چودہ سو سال پہلے امی ہونے کے باوجود انسانیت کے لئے ایسی قانون سازی فرمائی جہاں تک یورپی ماہرین کی رسائی دو ہزار سال بعد بھی نہیں ہوسکی۔ (عبدالله ناصح علوان: معالم الحضارة في الاسلام ۱۵۵)

اسلامی معاشرہ ے کے انسانی معاشرہ پر اثر اندازی کے یہ چند نمونے وشہادتیں قاری کی دعوتی صلاحیت کے مہمیز کے لئے کافی ہیں۔

## سراپا تعارف

اسلام سراپا تعارف ہے اعتراف کا داعی ہے، انسان کو انسان سے جوڑتا ہے امن وسلامتی مختلف تہذیبوں ومعاشروں کو نقطۂ ارتباط عطا کرتا ہے باہمی بُعد کو دور کرتا ہے، دعوت کے انتہائی اچھے اسلوب کی تلقین کرتا ہے پرامن انداز سے دعوت فکر دیتا ہے حسن خطاب کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ ''ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن إن ربك هو أعلم بمن ضل سبيله وهو أعلم بالمهتدين'' (النحل: ۱۲۵) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے)

## ڈائلاگ کی بنیاد

قرآن کریم مذاکرے وڈائلاگ اور دعوت کی بنیاد حکمت اچھی نصیحت عمدہ ترین مباحثہ پر رکھتا ہے جو مختلف اقوام وملل کو خطاب کرنے کا کامل ومکمل طریقہ ہے۔ یوسف قرضاوی کہتے ہیں قرآن نے موعظہ کے ساتھ حسنہ کی صفت لگائی اور جدائی کے ساتھ احسن کہا جس کا راز یہ ہے کہ وعظ کا تعلق بالعموم اپنوں ہم مزاجوں سے ہوتا ہے اور جدال ومباحثہ مخالفوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے داعی کی ذمہ داری ہے کہ مخالفوں سے گفتگو کرتے وقت شائستگی وشیریں کلامی کا بھرپور مظاہرہ کرے۔ (یوسف قرضاوی: خطابنا الاسلامی فی عصر العولمه ۱۰۴)

## ہندستانی معاشرہ کو متأثر کرنے کے لئے

ہندستانی معاشرہ کو متأثر کرنے کے لئے ہمیں مختلف مذاہب کی مشترک اقدار وحقائق کی تعیین اور متفق علیہ اشیاء کی دعوت اور عمل پر ابھارتا قرآنی اصول کے مطابق ضروری ہے ''قل يا أهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً، ولايتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون. (آل عمران: ٦٤)

## نقطۂ ارتباط

قرآن نے مسلم معاشرہ کی اثر اندازی کا ایک اور نقطہ بیان کیا ہے جس سے غیر مسلم کو متأثر کیا جاسکتا ہے وہ ہے تعاون واحسان کا جذبۂ فراواں نیکی وانصاف کا داعیہ بے کراں، ''لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم أن الله يحب المقسطين. (الممتحنة ۸) (اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت

رکھتے ہیں)

سید قطب کہتے ہیں ''یہ ہے وہ ٹھوس بنیاد اور بہترین طریقہ جس کے ذریعہ غیر مسلموں سے راہ ورسم استوار ہوسکتی ہے اور یہی دین فطرت سے میل کھاتا ہے۔ جو ساری انسانیت کے لئے ہے ایک معبود کی راہ ہے ایک ہی معبود نے تجویز کیا ہے۔ ایک ہی معبود کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ (سید قطب فی ظلال القرآن: ۳۵۴۴/۶)

## امن کا پیامبر

جب مسلمان رحمٰن کا بندہ گھر سے قدم نکالتا ہے تو تیز گامی وست رفتاری کی درمیانی چال وقار وسکون کا پیامبر بن کر دنیا کو تواضع ومسکنت کی تعلیم دیتا ہے، جب چلتے ہوئے ناواقفوں کا سامنا ہوجاتا ہے تو مسکراہٹوں کے پھول اس کے ہونٹوں سے میٹھے بول آپ کو سلام ہو کہہ کر دل جیت لیتا ہے، شیریں گفتاری نرم رفتاری معاشرہ پر چھا جاتی ہے، رات کی تاریکی میں چپکے چپکے بیٹھے کھڑے جبین نیاز خم کئے رب سے عالمی امن کی بھیک مانگتا ہے توحید کا اعلان کرکے ایک ہی امن برپا کرنے والا نظام چاہتا ہے، گھریلو وملکی بجٹ کو فضول خرچی وبخل سے بچا کر میانہ روی کی محفوظ لکیروں پر ڈالنا چاہتا ہے، نگاہ کی حفاظت سے پاکیزہ وعفیف ماحول بناتا ہے اور معاشرہ کو ہر بیماری ایڈز وکینسر سے بچانا چاہتا ہے، اپنی نسل اپنے گھر کی کامیابی کیلئے فکرمند بھی رہتا ہے دعائیں بھی مانگتا ہے دستور الٰہی قرآن کو غور سے عمل کی نیت سے پڑھتا ہے۔ یہ مسلمان جہاں کہیں چلا جاتا ہے امن کا پیامبر کہلاتا ہے ماحول کی کایا پلٹ کر دیتا ہے۔ ناواقف برادران وطن ''دیوتا'' مان لیتے ہیں گو وہ اپنے عقیدے کے سانچے میں دیر سویر ڈھالتا ہے۔

## روشن ماضی

بطور مثال قریبی زمانے میں قاری صدیق باندویؒ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیا، بختیار کاکی اور صابر کلیری روشن ماضی ہیں۔

داعیان اسلام برادران وطن کے ساتھ انسانی جان کی حرمت، اخلاقی ارنا گی، دولت کی ظالمانہ تقسیم حرص وطمع جیسے نقطہائے مشترک کے بارے میں **تعالوا إلی کلمة** کی دعوت دے کر اصلاح کا بڑا گراں قدر کام کرسکتے ہیں۔

## امت مسلمہ کی اہم ترین ضرورت:

اس وقت امت مسلمہ کو غیرت مند نوجوانوں باحمیت جیالوں، پختہ کار سچے داعیوں اور یکتائے زمانہ علماء کی شدید ضرورت ہے جو اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے باب میں اللہ کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے میں نقادوں کی تنقید ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہ مرعوب ہوں نہ خائف ہوں۔

اس دور میں شیریں کلامی نرم گفتاری اور ان انمول ذرائع کو اپنا کر جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنایا اور صحابہ کرام کو اپنا گرویدہ بنایا ان کے دلوں کو اپنی دعوت سے چھولیا ان تمام طریقوں کو اختیار کرنے کے ساتھ آج کے جدید ذرائع ابلاغ وترسیل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نئی مسلم نسل کی امنگوں اور مشکلات کا خیال کرتے ہوئے اور زمانہ کی فتنہ سامانیوں رنگینیوں نے نئی نسل کو خواہشات کے دلدل میں جو ڈھکیل دیا ہے اس ٹریجڈی کا سامنا کرتے ہوئے اور متبادل جائز حل پیش کرتے ہوئے صالح معاشرہ کی تشکیل کی دعوت وپروپگنڈہ آج کے داعیوں کے کامیاب ہونے کی شاہ کلید ہے۔

## بے چین وبے کل

غیور بلند فکر امت کے لئے بے چین وبے کل تڑپ اٹھنے والے

جوان سال داعیوں کی تیاری میں جوسب سے طاقتور ذریعہ ہے وہ ہے ربانی عالموں، مخلص بےلوث داعیوں کا وجود جو نئی نسل کے نگراں ہوں، ان کی تربیت نبوی روش کے مطابق کریں اور ان کا مقام ان کے آباء واجداد کا شاندار ماضی یاد دلائیں یہ وہ طریقہ ہے جو امت کو از سرنو بیدار کرسکتا ہے۔ضرورت ہے کہ آج کے علماء میدان دعوت میں سرگرم لوگ کار تربیت کے ماہرین اٹھ کھڑے ہوں۔

ملت اسلامیہ ہند کی اس ضرورت کی تکمیل آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی وقیع قیادت ملک کے ہزاروں جواں سائل علماء کی تربیت (قلت محدودیت وسائل کا شکوہ کئے بغیر) کا نظم کر کے کرسکتی ہے۔

## آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ذمہ داری

اسلامی فکر وعمل اور اصلاح معاشرہ کی تحریک کے ذریعہ انسانی معاشرہ پر اثر انداز ہونے کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ذمہ داری ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ان تمام افراد کو جنہیں دعوت وتبلیغ کا تجربہ واحساس ہے یونیورسٹیوں کالجوں مدرسوں اور بازاروں میں سرگرم ہیں ان تمام آبدار بکھرے ہوئے موتیوں کو بورڈ کے ریشمی دھاگے میں پرونے کا تاریخ ساز کارنامہ انجام دے تاکہ ملت اسلامیہ ہند سراپا زندگی بن سکے۔

# مقام تربیت قرآن وحدیث میں

ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی

تعلیم وتعلم فریضہ ہے، تربیت اورحسن اخلاق اس کا لازمی حزء وحصہ ہے، تعلیم وتربیت ایک دوسرے سے الگ وجدا ہوئے تو اس کا فائدہ اور معاشرہ کی تعمیر وآرائش ناقص وناکمل رہے گی، تعلیم وتعلم کے ذریعہ معلومات کا ایک ذخیرہ اور قیمتی سرمایہ جمع ہوجائے گا لیکن اگر تربیت سے وہ محروم رہ جائیگا تو اس بڑے اور قیمتی ذخیرہ وسرمایہ کا مصرف تعمیر کے بجائے تخریب کا رخ اختیار کرلے گا جس کی تاریخ انسانی میں بڑی المناک داستانیں رقم کی گئی ہیں جس کی وجہ سے متعدد قوموں کی آنکھیں بے نور اور دل بے کیف رہے ہیں اور بستیاں کی بستیاں سنسان وویران رہتی ہیں اسی وجہ سے اسلام نے تعلیم کے ساتھ تربیت کی جانب یکساں طور سے توجہ مبذول کی، اگر وحی الٰہی کی پہلی آیت کا حصول علم سے آغاز ہوا تو متعدد آیتیں تربیت کا پیغام لے کر نازل ہوئیں، اور علم وتربیت شانہ بشانہ نظر آئے تربیت کا سرچشمہ خاص طور سے مندرجہ ذیل قرار پائے:

۱۔ قرآن مجید

۲۔ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت، زندگی اور سیرت واخلاق۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات گرامی جنہیں ہم حدیث وسنت نبوی کے عنوان سے جانتے ہیں۔

۴۔ علم کا وہ مجموعہ جسے قرآن وسنت کے ذریعہ سے فراہم کیا گیا۔

قرآن مجید نے انسان کی تربیت وتزکیہ پر بہت زور دیا ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ ''یہ بات ثابت شدہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کا بنیادی'' مقصد انسانی نفوس کی تربیت ہے اور باطل عقیدوں کا ازالہ اور فاسد اعمال کا ختم کرنا ہے۔

قرآن نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد اور بنیادی بڑے فائدوں کی نشاندہی کرتے ہوئے درج ذیل آیتوں میں وضاحت کی ہے:''**کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم آیا تنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونو تعلمون**'' (البقرۃ: ۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تمہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو تمہارے لیے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور تمہاری تربیت وتزکیہ کے ساتھ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم بھی دیتے ہیں، اور وہ باتیں سکھاتے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''**لقد من اللّٰہ علی المؤ منین اذ بعث فیھم رسولا من أنفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ وإن کانوا من قبل لفي ضلال مبین**'' (آل عمران: ۱٦٤) ایمان والوں پر اللہ کا فضل یہ ہے کہ اس نے انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کے لئے اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کی تربیت وتزکیہ کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اگر چہ وہ لوگ پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

بالکل انہیں اوصاف کو بیان کرتے ہوئے سورہ جمعہ کی یہ آیت نازل کی گئی: ''**ھوالذي بعث في الأ میین رسولاً منھم یتلو**

علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ، و إن کانوا من قبل فلي ضلال مبین" (الجمعۃ : ۲) وہی ذات ہے کہ جس نے ناخواندہ لوگوں میں سے ہی ایک رسول بھیجا جو اس کی آیتیں ان کے لئے تلاوت کرتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور اگرچہ وہ پہلے صاف گمراہی میں تھے۔

ان مذکورہ تین واضح آیتوں کے علاوہ مختلف اسلوب وپیرایہ میں ''تربیت'' کا بیان کیا گیا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآنی دعوت میں تہذیب وتربیت اور تزکیہ وحسن اخلاق کی کتنی اہمیت اور اس کا کتنا اعلیٰ مقام اور عظیم مرتبہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے خود ہی اس عظیم واعلیٰ مقصد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''إنما بعثت لأتمم مکارم الاخلاق'' ایک دوسری روایت میں ہے ''إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق'' دونوں روایتوں میں حصر کے ساتھ وضاحت ہے کہ میں تو اعلیٰ اخلاق یا صالح اخلاق کی تکمیل ہی کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں، اور یقینی طور سے آپ ﷺ اس کے مثالی اسوہ، اور نمونہ تھا، جس کی شہادت خود باری تعالیٰ نے دی ہے ''وانک لعلی خلق عظیم'' (القلم: ٤) بیشک آپ عظیم اخلاق سے متصف ہیں، حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''کان خلقہ القرآن'' (مسلم) آپ کے اخلاق تو قرآن کے مطابق تھے، آپ ﷺ کی زندگی اور سیرت پوری کی پوری تربیت تھی اپنے رہن سہن، ملنے جلنے سفر وحضر اور امن وجنگ، اجتماعی اور انفرادی حالات سے تربیت کا ایک ایسا شاندار نمونہ پیش کیا جس نے قول وعمل کی شکل اختیار کر کے ایک انسان ساز اور مردم گر معاشرہ کی تعمیر وبناء ڈالی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی تربیتی معاشرہ کی پود تھے جس پودہ کا ہر کھلا ہوا پھول خوشنما اور سحر انگیز نمونہ تھا جن کے بارے میں کہا گیا کہ زمین پر چلتے ہوئے فرشتے ہیں، یہ قرآن، حدیث، سیرت اور اس سے فراہم ہونے والے علم ومعلومات کی تربیت کا نتیجہ تھے، جن کے بارے میں خود انہیں کے ایک رفیق نے (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے شہادت دی ہے:

''دل کے سب سے زیادہ اچھے ونیک، سب سے زیادہ گہرے علم کے حامل، اور سب سے کم تکلف آن وبان والے تھے یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم'' ان کے بارے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے جامع الفاظ ملاحظہ ہوں: ''صحابہ کرام اسلام کی لگائی ہوئی پود اور کاشت تھے، نبوت کے لگائے ہوئے شجر گہر بار تھے، نبوی تربیت کے پرداختہ اور محمدی تزکیہ کے حسین گلدستہ تھے۔''

قرآن وحدیث وسیرت نبوی کا بنیادی مقصد اور مرکزی محور ''تربیت'' ہے نہ تنہا علم کافی ہے اور نہ اکیلی تربیت، علم کے ذریعہ انسان معلومات کا خزانہ جمع کر لیتا ہے مگر اس خزانہ سے فائدہ اسی وقت اٹھا سکتا ہے جب استفادہ اور نفع رسانی کی ٹریننگ بھی حاصل کرلے، بغیر ٹریننگ وتربیت حاصل کئے وہ اس معاشرہ کو مثالی، پاکیزہ اور صاف ستھرا نہیں بنا سکتا ہے، جس کا ایک آئیڈیل نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت وکردار تھیں آپ نے ملاحظہ کیا، انہیں مذکورہ بالا سرچشموں ہی کا فیض ہے کہ اسلام کے ہر دور میں ''تربیت'' کا ایک ایسا مستحکم اور بارآور نظام قائم ہوگیا کہ جس نے تسلسل کے ساتھ صلحاء مصلحین، مجددین اور داعیوں کی جماعت پیش کرتا رہا، اور انشاء اللہ قرآن وسنت اور سیرت کی روشنی میں تربیت کا یہ سلسلہ قائم ودائم رہے گا۔

# دین میں تربیت کی اہمیت

ڈاکٹر محمد اسحاق فلاحی
شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

ہمارے دین میں تربیت کی بنیادی اہمیت ہے۔ قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ متعدد سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کی تکریم کی حسد کی وجہ سے آدم اور ان کی ذریت سے انتقام لینے کا عہد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا۔

''تو یہاں سے اتر، تجھے یہ حق نہیں ہے کہ تو اس میں گھمنڈ کرے، تو نکل، یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے۔'' (اعراف ۷:۱۳)

اس پر ابلیس نے مہلت مانگی اور اس نے اعلان کیا!

''چونکہ تو نے مجھے گمراہی میں ڈالا ہے اس وجہ سے میں تیری سیدھی راہ پر ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا، پھر میں ان کے آگے، ان کے پیچھے، ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے ان پر تاخت کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔'' (ایضاً:۱۶-۱۷)

اللہ نے اسے مہلت دے دی اور فرمایا:

''تو یہاں سے نکل خوار اور راندہ۔ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا (۱۸)'' اس کے جواب میں شیطان کا چیلنج سورۂ بنی اسرائیل میں یوں نقل ہوا ہے:

''کہنے لگا، بھلا دیکھ تو وہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے! اگر تو نے قیامت تک کے لیے مجھے مہلت بخشی تو قدرے قلیل کے سوا میں اس کی ساری ذریت کو چٹ کر جاؤں گا۔ فرمایا 'جا' جوان میں تیرے پیرو بن جائیں گے تو جہنم تم سب کا پورا پورا بدلہ ہے۔ اور ان میں سے جن پر تیرا بس چلے ان کو اپنے غوغا سے گھبرا لے، ان پر اپنے سوار اور پیدل چڑھا لا مال اور اولاد میں ان کا ساجھی بن جا اور ان سے وعدہ کر لے اور شیطان ان سے محض دھوکے ہی کے وعدے کرتا ہے بیشک میرے اپنے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور تیرا رب کارسازی کے لیے کافی ہے۔ (آیات:۶۲-۶۵)

شیطان کے ہمہ گیر حملہ کی قوت، وسعت اور ہمہ گیری کا اندازہ لگایئے قرآن نے اس کے طغیان واستکبار اور ظلم وعدوان کی ہر جہت اور ہر سمت کو کھول کر بیان کر دیا، انسانی خواہشات، احساسات، جذبات پر وہ حملہ آور ہوگا، وہ اس کے فکر، فلسفہ، نظریہ، علم، تحقیق، ادب، معاشرت اور کلچر سب پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے گا۔

ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان سے ہماری حفاظت کے لیے ایک ہتھیار دیا، اس نے ارشاد فرمایا:

''اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں تم کو میری آیات سنائے تو جو ڈرا اور جس نے اصلاح کر لی ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو میری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کر کے ان سے اعراض کریں گے وہی دوزخ والے ہیں، وہ اسی

میں ہمیشہ رہیں گے۔ (اعراف:۳۵)

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی گمراہی اور اس کے خطرات سے حفاظت صحیح تربیت اور ہدایت کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ کی طرف سے انبیاء اس دنیا میں ہدایت لے کر آئے جسے اپنا کر انسان شیطان کے فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

قرآن سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان جنوں اور انسانوں دونوں میں سے ہوتے ہیں اور دونوں ہی انسان کے اعمال واخلاق کو بگاڑتے ہیں اور عقل وفکر پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق بنی آدم کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنے انبیاء مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل کیں اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کر کے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔

آخری پیغمبر کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

''اور اے ہمارے رب تو ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔'' (بقرہ: ۱۲۹)

اس دعا کی قبولیت کا اعلان سورۂ جمعہ کی اس آیت میں کیا گیا ہے:

''اس نے اٹھایا ہے امیوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (جمعہ:۲)

اس آیت میں پیغمبر ﷺ کے چار اہم کام بتائے گئے ہیں:

۱- تلاوت آیات

۲- تزکیہ

۳- تعلیم کتاب

۴- تعلیم حکمت

تلاوت آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کا مقصد تزکیہ ہے۔ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر تزکیہ کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ سورۂ عبس میں ہے:

''تمہیں کیا خبر؟ شاید وہ تزکیہ حاصل کرنے آیا ہو۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے ارشاد ہوا!

''فرعون کے پاس جاؤ، وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس سے کہو کہ ہے تیرے اندر کچھ رغبت کہ تو تزکیہ حاصل کرے۔'' (نازعات:۱۷-۱۸)

آخرت میں انسان کی کامیابی اور نجات کا دارومدار تزکیہ پر ہے، فرمایا:

''اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کی گندگیوں پر پردہ ڈالا۔'' (شمس:۹-۱۰)

سورۂ اعلیٰ میں ارشاد ہے:

''اس نے فلاح پائی جس نے تزکیہ حاصل کیا۔ (۱۴)

مذکورہ بالا قرآنی ارشادات سے یہ واضح ہوا کہ دین میں تربیت اور تزکیہ انبیاء کی بعثت کا اصل مقصود ہیں دین میں مرکزی حیثیت انہیں حاصل ہے۔ دوسری ساری چیزیں اس کے وسائل وذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تربیت کی اہمیت سے کوئی باشعور انکار نہیں کر سکتا۔ تربیت کا عمل حوصلہ، ہمت اور صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔ مادی معاملات میں عام افراد تربیت کی اہمیت کو عام طور پر برتتے ہیں۔ تربیت کے لیے قرآن نے زیادہ جامع لفظ تزکیہ استعمال کیا ہے۔ تزکیہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو کسی شے کو پاک وصاف کرنا ہے۔ اور دوسرا پہلو پروان چڑھانا اور

نشوونما دینا ہے۔ یہ دونوں ہی چیزیں تزکیہ میں لازم وملزوم ہیں جو چیز زائد، مخالف، مزاحم اور مضر ہو اسے دور کر کے ہی نمود ونشوونما کا عمل ممکن ہو پائے گا۔ کسی چیز کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ جہاں ایک طرف اسے آلائشوں سے پاک کیا جائے اور اس کی کمیاں اور خرابیاں دور کی جائیں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی نشوونما اور ترقی کے لیے مناسب سامان اور سازگار ماحول مہیا کیا جائے، تب ہی تزکیہ کا عمل پورا ہوگا۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کا خالق ہے جس نے انسانوں کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے، چنانچہ اس نے انسانوں کو ایک خاص مدت کے لیے اس دنیا میں بھیجا ہے اس کائنات کی ایک عمر طبعی اس نے مقرر کی ہے جس کے پورا ہوجانے کے بعد یقینی طور پر یہ ختم ہوجائے گی اور نئے آسمان وزمین وجود میں آئیں گے۔ حشر برپا ہوگا تمام انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور ان کے فکر وخیال اور عمل کے لحاظ سے انہیں جزا یا سزا دی جائے گی۔ اللہ اور اس کے رسول نے خبردار کیا ہے کہ اس زندگی کا انجام روز قیامت پر ہوگا۔ اس لیے انسان کا اصل مسئلہ آخرت کی کامیابی ہے۔

ہر انسان کی ہر وقت اچھی یا بری تربیت ہو رہی ہے۔ وہ ارادہ وشعور کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ وہ جن خیالات کی پرورش اپنے ذہن میں کرتا ہے، جن حالات اور گردوپیش کے ماحول میں وہ جیتا ہے اور جو عمل وہ کرتا ہے ان سب کا اچھا یا برا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہے۔ اس لیے ہر سنجیدہ، باشعور اور ذمہ دار شخص کو اپنی ذاتی اصلاح اور تربیت کے لیے کوشش اور سعی وجہد کرنی چاہیے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اچھی فطرت پر پیدا کیا ہے اس کو اچھائی اور برائی کا امتیاز بخشا ہے۔ ان میں سے وہ جسے اختیار کرنا چاہے اس کو اختیار کرنے کی آزادی دی ہے۔ جو لوگ انسان کی اس امتیازی خصوصیت کی قدر نہیں کرتے، لاپرواہی اور غفلت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، ترقی کا زینہ چڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتی، پستیوں کو ہی پسند کرتے ہیں تو اس کا قانون یہی ہے کہ وہ گریں تو ہمیشہ گرے رہیں لیکن اس کے برعکس جنہوں نے بلندیوں پر چڑھنے کا حوصلہ کیا اور اٹھنے اور آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا تو رب کریم ان کی دست گیری فرماتا ہے اور جنت کی ابدی بادشاہی ان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

''مومن جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے سبب سے اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے، اس گناہ سے باز آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہے تو اس کے دل کا وہ دھبہ صاف ہوجاتا ہے۔ اور اگر اس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ان کی سیاہی اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے تو یہی وہ رَین ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **کلا بل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون** (ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی سیاہی چھا گئی ہے)

(ابن کثیر بحوالہ ترمذی)

تزکیہ کا یہ عمل اپنے آغاز میں بظاہر ایک چھوٹا، معمولی اور سادہ سا عمل ہے لیکن جب یہ عمل آگے بڑھتا ہے تو محنت طلب اور صبر آزما ہوجاتا ہے۔ جو لوگ اس راہ میں جتنی محنت کریں گے وہ اتنا پائیں گے۔ ہم غور کریں تو انسانی وجود کی چار صورتیں ہمیں عطا کی گئی ہیں، ان چاروں کا تزکیہ ہماری کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

۱- حیوانی وجود

۲- عقلی وجود

۳- اخلاقی وجود

۴- روحانی وجود

ہمارا حیوانی وجود ہمارا مادی وجود ہے۔ اسے اپنی بقا کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے اس سلسلہ میں خدا اور اس کے رسول کی تعلیمات واضح ہیں جو چیزیں محرمات ہیں ان سے پوری طرح اجتناب کیا جائے اور صرف طیبات کو ہاتھ لگایا جائے۔ ہمارے حیوانی وجود کی ایک بنیادی ضرورت جنسی جذبے کی تسکین بھی ہے اس سلسلہ میں جو آداب واحکام دین نے متعین کر دیے ہیں وہ ہماری پاکیزگی کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ ان کے علاوہ صفائی مثلاً ناخن کاٹنا، بغلوں اور زیر ناف کے بال کی صفائی اور ختنہ، نیز سادہ اور باوقار لباس کا اہتمام حیوانی وجود کے تزکیہ اور ہماری زندگی کو متوازن راہ پر لگانے کے لیے ہمارے دین نے متعین کر دیئے ہیں۔

انسان کو عقل کی نعمت عطا کی گئی ہے جو چیزیں جانوروں سے انسان کو علاحدہ کرتی ہیں ان میں سے ایک عقل بھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عقل ایک بڑی نعمت ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ آفات بھی ہیں۔ شہوات، رغبات، جذبات اور تعصّبات اسے اندھا اور مغلوب کر دیتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس کی بھی اصلاح ہو۔

عقلی وجود کے تزکیہ کے لیے ضروری ہے کہ عقل کے سامنے اپنے وجود کے بارے میں، دنیا کے بارے میں اور کائنات کے بارے میں بنیادی سوالات کے تشفی بخش جواب مل جائیں۔ وہ یہ جان لے کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اس کا مقصد وجود کیا ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ اور کائنات کا مقصد تخلیق کیا ہے؟

ان سارے سوالات کی شاہ کلید پروردگار عالم کی معرفت اور اس کی صفات کا صحیح شعور ہے جب عقل اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت پالیتی ہے تو عقل کے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ راہ مل جاتی ہے جس پر چل کر عقل تزکیے کی منازل طے کر لیتی ہے۔ عقل کی رہنمائی قرآن مجید سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن نے ہمیں غور وفکر اور تدبر وتفکر کی دعوت دی ہے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے:

''تو کیا! وہ جو پیدا کرتا ہے ان کے مانند ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے؟ تو کیا تم سوچتے نہیں''

''یعنی خالق اور مخلوق یکساں کیسے ہو جائیں گے۔ یہ عقل کی کیسی موت ہے کہ اتنی موٹی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔''

سورۂ نحل کی آیات ۱۰ر تا ۱۳ر کا مطالعہ کیجئے۔

گیارہویں آیت میں ''بیشک اس کے اندر بہت بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سوچیں'' (لقوم یتفکرون)

بارہویں آیت میں ''بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھیں'' (لقوم یعقلون)

تیرہویں آیت میں ''بیشک اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو یاددہانی حاصل کریں'' (لقوم یذکرون)

اسی سورہ کی آیات ۶۵، ۶۷، اور ۶۹ میں بالترتیب **یسمعون، یعقلون** اور **یتفکرون** کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں عقل کے تزکیہ کی بڑی اہمیت ہے اور قرآن کے ذریعہ اس کا تزکیہ بھی ہوتا ہے انسان کے اندر نمایاں خصوصیت اس کا اخلاقی وجود ہے انسان کو اللہ نے بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اس کے اندر مختلف قسم کے جذبات ومحرکات ودیعت کر دیئے ہیں اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کارگر اور قیمتی ہتھیار جس سے اخلاقی وجود کا تزکیہ ممکن ہو سکے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ کی حیثیت ہمارے لیے واجب الاطاعت شارع اور ہادی کی ہے۔

ہر انسان کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک کا تعلق اس کی اپنی ذات

سے ہوتا ہے، دوسرے کا تعلق اپنے ماسوا دوسروں سے ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنے خاندان، محلّہ، معاشرہ اور ریاست سے متعلق ہوتا ہے۔ خاندان سماج اور ریاست کے حوالہ سے دین نے جو بنیادی ہدایات دی ہیں، وہ ہمارے اخلاقی وجود کے تزکیہ کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

نفس کے روحانی وجود کے تزکیہ کی اہمیت دوسرے تمام پہلوؤں سے زیادہ ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمارا روحانی وجود ہی ہماری شخصیت کا اصل وجود ہے۔ اس کا تزکیہ انسان اپنے رب سے صحیح بنیاد پر تعلق استوار کر کے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور بندے کا تعلق عبد اور معبود کا تعلق ہے۔ اللہ کے ذکر، اس کی بندگی، وفاداری، محبت اور تقوی کے ذریعہ ہماری روح پاکیزہ ہوتی ہے۔ دین میں عبادات کا نظام روحانی پاکیزگی کے مقصد کو پورا کرتا ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار مولانا حمید الدین فراہی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''نماز سانس کی طرح زندگی کے لیے ناگزیر ہے وہ حقیقی زندگی جو نور، سکینت اور ایمان کے الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے، صرف اللہ کی یاد ہی سے باقی رہ سکتی ہے۔ غور کرو تو عقلاً یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کیونکہ بندوں کو عقل وتمیز کی صلاحیت بخش دینے کے بعد، خدا کی نظر کرم ان کی طرف اس وقت تک ملتفت نہیں ہونی چاہیے جب تک وہ اپنی توبہ وانابت سے اس کو دعوت نہ دیں۔ اس کا دستور یہ ہے کہ جب بندہ شکر کرتا ہے۔ اور پائی ہوئی نعمتوں کو کام میں لاتا ہے تو وہ نعمت کو زیادہ کرتا ہے چنانچہ فرمایا: **والذین اھتدوا زادھم ھدیً** (محمد:۱۷) جو طلب ہدایت میں سرگرم رہتے ہیں، ان کے نور ہدایت کو بڑھاتا ہے توجہ الی اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نام کی یاد کی جائے۔ خدا سے قرب حاصل کرنے کی راہ یہی ہے۔ اللہ سے قربت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس کو یاد رکھا جائے اور اس سے دوری کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یاد سے غفلت ہو جائے (اعاذنا اللہ منہا) جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس سے قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

**واسجد واقترب.** (علق:۱۹) سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ

اس وقت اللہ کی نظر رحمت اس کو نوازتی ہے۔ اس کا سینہ انوار وتجلیات الٰہی سے جگمگا اٹھتا ہے اور اس کی روح ذکر وفکر کی گہرائیوں میں جس قدر اترتی جاتی ہے، زندگی اور قوت کے لازوال خزانوں سے اسی قدر قریب تر ہوتی جاتی ہے انسان کی تربیت کا کام نہایت عظیم اور بلند ہے جس کا اہتمام اللہ کی طرف سے اس کے نبیوں اور اس کی کتابوں کے ذریعہ انجام پایا۔ اس کی اس اہمیت کا صحیح شعور پیدا کر کے تربیت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اس کی پہلی بنیاد اصلاح اور تبدیلی کا سچا ارادہ اور عزم ہے۔ ہم جیسا بھی بننا چاہیں، وہ اپنی کوشش اور اپنے عمل سے بنیں گے۔ دوسری بنیاد وقت کی قدر وقیمت ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ لہٰذا اس سے غفلت اور لاپرواہی ہماری بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ تیسری بنیاد اچھی صحبت ہے، اچھے ساتھیوں سے انسان کی قوت وہمت اور حوصلہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ اچھی صحبت صالح لٹریچر کے مطالعہ اور صالحین کے تذکروں سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ چوتھی بنیاد اللہ تعالیٰ سے دعاء اور اس سے استعانت ہے۔ جو لوگ اس راستہ پر چل کھڑے ہوتے ہیں ان کی راہ میں بڑی رکاوٹیں اور آزمائش آتی ہیں۔ ان میں وہی کامیاب ہوتے ہیں جنہیں اللہ کی مدد اور نصرت حاصل ہو۔

# قرآن وحدیث میں تربیت کا تصور

مفتی محمد مشتاق تجاروی - دہلی

تربیت ربی یربی سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں بڑھنا، عربی میں اس کے بہت سے مشتقات استعمال ہوتے ہیں۔ التربیۃ مصدر ہے، اصطلاح میں تربیت سے مخصوص ٹریننگ ہوتی ہے ۔ یہ تربیت، فنی تکنیکی، جسمانی اور روحانی ہر طرح کی ہوسکتی ہے۔ جب قرآن وحدیث میں تربیت کی بات کہی جائے گی تو لامحالہ دینی تربیت مراد ہوگی، یعنی انسان کی ایسی تربیت اور اس کا ایسا ذہنی وجسمانی نشوونما کہ وہ اس دنیا میں ایک بہترین انسان بن جائے اور آخرت میں اس کو فوز وفلاح حاصل ہوجائے۔ اس طرح قرآن وحدیث میں تربیت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور جامع بھی ہے ۔اس میں انسان کی ذہنی، اخلاقی، دینی اور معاشی ہر طرح کی تربیت مضمر ہے۔ ایک لفظ میں کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تربیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان صرف حیوان ناطق نہ رہے بلکہ بہترین انسان بن جائے اور واقعتاً اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہوجائے۔

قرآن پاک میں اللہ کے رسول ﷺ کا منصب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور حدیث میں بھی اس کے قریب قریب ایک بات کہی گئی ہے کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں (انما بعثت معلما) یہ تزکیہ وتعلیم انسان کی ہمہ جہت تربیت ہے اس کے ذریعے انسان کی ایسی تربیت مقصود ہوتی ہے جو زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہو جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اس تربیت کا مثالی نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، ان کی زندگیاں قرآن وحدیث کی مطلوبہ تربیت کا معیاری نمونہ تھیں، اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کی تربیت اس طرح فرمائی کہ وہ پوری امت بلکہ پوری انسانیت کے لئے نمونہ بن گئے ۔ان کے افکار وخیالات، سیرت وکردار، معاشرت ومعیشت اور حکومت وریاست ہر گوشہ حیات کی معیاری تربیت ہوئی، ان کی معاشرت اعلیٰ درجہ کی تھی ان کی معیشت ظلم وجور اور استحصال سے پاک تھی اور دولت میں تمام انسانوں کا حق عملاً بھی تسلیم کیا گیا تھا، ان کے باہمی تعلقات برادرانہ تھے، ان کی شخصی زندگی خوف وخشیت، انابت اور رجوع الی اللہ سے عبارت تھی، ان کی حکومت جابرانہ طرز سے عاری اور ہر اعتبار سے فلاحی ریاست تھی۔

قرآن وحدیث میں جو تربیت کا تصور پیش کیا گیا ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے مثالی نمونہ تھے، تاہم وہ اصول وہ طریقے اور مناہج ہمیشہ انسانوں کے لئے رہنمائی کرتے رہے اور جو آج بھی ان کی معنویت اس طرح برقرار ہے۔

قرآن وحدیث میں تربیت کا جو اسلوب ومنہاج اختیار کیا گیا ہے وہ ظاہر ہے نظریہ حیات اور کائنات میں انسان کے مقام ومرتبہ کے

تعین سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن میں انسان کو اللہ کا خلیفہ بنایا گیا ہے اور اس کے اوپر وہ بارِ امانت ہے جس کو اٹھانے سے آسمان وزمین بھی لرزاں تھے، اس لئے مخلوقات میں گویا انسان کا درجہ بلند تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی کو اللہ کا خلیفہ ہونے کا مقام حاصل ہے ۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے خود پیدا کیا ہے اور خود بتایا ہے کہ وہ ہم نے انسانوں کو بالکل درست بنایا۔

**إذ قال ربک للملآئکة إني خالق بشرا من طین . فإذا سویته ونفخت فیه من روحي فقعوا له ساجدین**
(صٓ: ۷۱-۷۲)

(**ترجمہ**) جب کہا تیرے رب فرشتوں سے "میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، اور پھر جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔

یعنی جس طرح انسان کی تخلیق میں تسویہ یعنی اس کو مکمل طور پر درست بنانا شامل ہے۔ اسی طرح یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ اپنے عقائد، اعمال اور رویوں میں بھی مکمل ہو۔

اسی طرح قرآن میں کہا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین اور مکرم پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات پر بالادستی عطا کی۔

**ولقد کرمنا بني آدم وحملنا ہ في البر والبحر .**

یعنی انسان کو برتر اور مکرم پیدا کیا گیا اس لئے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال میں بھی مکرم اور برتر ہو۔

تاہم یہ واضح رہے کہ اس کی یہ برتری اور عظمت مطلق نہیں ہے، بلکہ یہ اس وقت تک قائم ہے جب تک وہ اپنی تربیت قرآن وحدیث کے مطابق کرتا ہے اگر اس کی روش اس کے خلاف ہوگی تو اس کی برتری قائم نہیں رہے گی جیسا کہ قرآن میں ہے۔

**ولقد خلقنا الإنسان في أحسن تقویم، ثم رددناہ اسفل سافلین، الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلهم أجر غیر ممنون.** (التین: ٤-٦)

(**ترجمہ**) ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب سے نیچوں سے نیچے کر دیا سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتا رہے کہ ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

قرآن میں تربیت کے لئے بالعموم دو لفظ تزکیہ اور تقوی استعمال ہوتے ہیں، بعض اور بھی قریب المعنی الفاظ ہیں لیکن زیادہ استعمال انہی کا ہے۔

ان میں لفظ تزکیہ کا دائرہ تربیت کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔ اگر قرآن وحدیث میں تزکیہ کے مختلف استعمالات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس سے انسان کی ایسی تربیت مقصود ہے کہ انسان اپنے ظاہر وباطن، خلوت وجلوت، انفرادی امور اور اجتماعی امور، معاملات ومعاشرت ہر گوشہ حیات میں بہترین انسان بن جائے۔ انسان کے معمولات، اس کی دلچسپیاں، اس کے مشاغل، اس کے مسائل سب اس اصول اور ضابطہ کے ماتحت ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وضع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق مزید گہرا اور مزید استوار ہو جائے۔ فرائض وواجبات کی پابندی پورے لوازمات کے ساتھ ہو، اور انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہو جائے جس کو احسان کہا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ انسان اخلاقی خوبیوں سے بھی پوری طرح متصف ہو جائے، یہ اخلاقی خوبیاں انسان کو خود انسانوں کے درمیان ایک نمایاں اور برتر مقام عطا کرتی ہیں، ان کا انسان کے اندر ہونا خوشنودئ رب کے لئے ضروری ہے۔ اسلام نے ان کی پرورش کی ہے اور ان کو انسان

کے اندر پروان چڑھانے کی تلقین کی ہے۔ یہ خوبیاں خوش اخلاقی، حق گوئی، صداقت، راست بازی، عدل وانصاف، عفوودرگزر تواضع وانکساری وغیرہ ہیں۔

قرآن وحدیث میں تربیت کا تصور مثبت رویوں تک محدود نہیں ہے بلکہ منفی رویوں کی اصلاح یعنی اس میں شامل ہے، معائب ومنکرات، اخلاقی رذائل اور برائیوں سے بچانا انسان کے بُرے ارادوں کی اصلاح اور تربیت بھی اس میں شامل ہے۔ قرآن وحدیث میں یہ مطلوب ہے کہ انسان کے رویے جس مثبت انداز میں اچھے ہونے چاہئیں اسی طرح اس کو منفی اور غلط رویوں سے اجتناب بھی ضروی ہے، قرآن وحدیث میں اخلاقی، معاشرتی اور معاشی خرابیوں جیسے چوری، غیبت، زنا، جھوٹ، بے حیائی، بدکاری، دوسروں کا استہزاء کرنا، حقوق وواجبات ادانہ کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، سود خوری، قمار بازی وغیرہ پر سخت تہدید کی گئی ہے۔ اوران سے بچنے کی بار بار تاکید ہے۔

تربیت کے مفہوم میں تعلیم بھی شامل ہے۔ قرآن میں جہاں تزکیہ کی بات کہی گئی بالعموم تعلیم کتاب کا بھی تذکرہ ہے اور انبیاء کا فرض منصبی کتاب کی تعلیم وتزکیہ کو قرار دیا ہے۔

قرآن وحدیث میں تربیت کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ انسان کی صلاحیتوں کی تربیت بھی اس سے مقصود ہے۔ اس تربیت کا خاصہ ہے کہ انسان کی خفیہ صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں اور انسان ایک اعلی متمدن اور مہذب انسان بن جاتا ہے اور ایک متمدن معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ تاریخ انسانی شاہد ہے کہ صرف مذہب وہ قوت ہے جو تمدن برپا کرتی ہے۔ تمدن ہمیشہ مذہب کے جلو میں پروان چڑھتا ہے۔ چنانچہ آج تک جتنی تہذیبیں دریافت ہوئی ہیں وہ سب مختلف مذاہب کی دین ہیں، اور اسلام ایک زندہ جاوید مذہب ہے، یہ آخری مذہب ہے اور پوری طرح محفوظ مذہب ہے، اس نے جس نے ماضی میں تہذیبوں کی اگوائی کی آج بھی پوری طرح اس منصب پر فائز ہونے کا اہل ہے، اس کے ذریعہ آج بھی انسانوں کی ویسی ہی تربیت اور کردار ومزاج کی تشکیل ممکن ہے جو قائدانہ معاشرانہ اور تہذیب وتمدن برپا کرتی ہے۔

تربیت کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جس تربیت کا ذکر ہے یا جو مطلوب کوئی فوری یا حادثاتی عمل نہیں ہے کہ کسی کی نظر کیمیا اثر نے بیک جنبش حزگاں ہفت اقلیم سر کرادیئے اور دونوں جہاں کی دشواریاں حل ہوگئیں، بلکہ یہ ایک مسلسل عمل ہے جس کا دائرہ پیدائش سے موت تک چلتا رہتا ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تزکیہ وتربیت کے لیے لفظ بالعموم فعل/صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ مصدر یا اسم نہیں۔ یعنی تزکیہ اختیار کرنا ہے۔ تـــزکـــی، یتـزکی، یزکی وغیرہ، یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ تزکیہ وتربیت کوئی جامد چیز نہیں ہے اور نہ کوئی کیفیت ہے کہ حاصل ہوگئی اور کافی ہے۔ بلکہ یہ مسلسل عمل ہے۔ جو پوری زندگی جاری رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں مختلف انداز سے یہ صیغے استعمال ہوئے ہیں۔

**قد أفلح من تزکی.** (اعلی : ١٤)

**ومن تزکی فإنما یتزکی لنفسه.** (فاطر: ١٨)

(**ترجمہ**) جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اپنی ہی بھلائی کے لئے کرتا ہے۔

**وسیجنبها الأتقی الذي یؤتی ماله یتزکی** (اللیل: ١٨)

(**ترجمہ**) اور اس سے دور رکھا جائیگا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔

**یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم. (الجمعہ: ۲)**

(**ترجمہ**) جوانہیں اسکی آیات سناتا ہےاوران کی زندگی سنوارتا ہے۔

اسی طرح تقویٰ کا لفظ بالعموم فعل ہی استعمال ہوا ہے، مصدر یا اسم نہیں۔اوراس کے مترادفات جیسے خوف، خشیت اوران کی ضد جیسے رجاء وغیرہ بھی بالعموم فعل ہی استعمال ہوئے ہیں جواس بات کی دلیل ہیں کہ یہ ایک مسلسل اورشعوری عمل ہےاور یہ پوری انسانی زندگی کومحیط ہے اس لئے قرآن وحدیث میں عائد کردہ فرائض وعبادات کو جواس تربیت کی اساس ہیں۔ بلا انقطاع پوری زندگی کے لئے فرض کیا گیا ہے۔اوراس کے منہیات کوبھی تا زندگی منہیات ہی رکھا ہے اس کو قرآن کریم کی ایک آیت میں اس طرح کہا گیا ہے۔

**واعبدربک حتی یأتیک الیقین.**

(**ترجمہ**) اورعبادت کرواپنے رب کی یہاں تک کہ موت آجائے۔

تربیت کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ تربیت بہت آسان ہے یہ کوئی سخت ریاضت یا محنت شاقہ نہیں ہے کہ جس کو ہرانسان نہ کرسکے بلکہ یہ ہرانسان کرسکتا ہے۔اوراللہ تعالیٰ نے اس تربیت کی راہ میں مزید آسانیاں خود پیدا فرمادی ہیں، جب بندہ اس راہ پر چلتا ہےتو قدم قدم پراس کی مدد کی جاتی ہے۔اوررب العالمین کی بے پایاں رحمت دوڑ کراس کوآغوش عاطفت میں لے لیتی ہے۔

اس تربیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلی آسانی تو یہ فرمائی کہ اس کوخود ہی آسان کردیا۔

**یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر.**

(البقرہ: ۱۸۵)

(**ترجمہ**) اللہ تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے۔مشکلات نہیں چاہتا۔اوراگر پھر بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو معاً اس کے ساتھ آسانی آجاتی ہےاس لیےاللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

**سیروا ولا تعسروا. (مسلم)**

(**ترجمہ**) آسانی فراہم کرومشکل نہیں۔

دوسری آسانی یہ فراہم کیکہ جوبھی اس راہ پر چلتا ہےاس کیلئے راستے کھول دیئے جاتے ہیں اورغیب سے اسکی مدد ہوتی ہے۔قرآن میں ہے۔

**والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا.**

(**ترجمہ**) جولوگ ہمارے راستہ میں کوشش کریں گےہم ان کیلئے راستے کھول دیں گے۔

اور جب بندہ اس راہ پر چلتا ہےاوراس کو یک گونہ استقامت حاصل ہوتی ہےاوراس استقامت پروہ خدا کا شکرادا کرتا ہےتواللہ تعالیٰ کی طرف سےاس پرمزید آسانیاں نازل ہوتی ہیں۔**لإن شکرتم لأزیدنکم.**

(**ترجمہ**) اگرتم شکرگذار بنوگےتو ہم مزید دیں گے۔

اس تربیت میں ایک آسانی یہ رکھی کہ نصاب کی تکمیل کے بعد انعام اتنابڑا رکھا کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا اوروہ انعام ہے، جنت۔ایسی جنت جوزمین آسمان سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

**سابقوا إلی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السماء والأرض. (الحدید: ۲۱)**

(**ترجمہ**) دوڑواورایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرواپنے رب کی مغفرت اوراس کی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے۔

اورسب سے بڑھ کر آسانی یہ کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے اگر بندے سے اس تربیت میں کوئی جرم سرزد ہوجاتا ہے، کوئی لغزش ہوجاتی ہےتو ایسانہیں ہے کہ اب یہ جرم اس کے نامہ اعمال کا جزء بن گیااوراس کواس کا خمیازہ بہرصورت بھگتنا پڑے گا۔ بلکہ اس کے یہاں توبہ ہےاور گناہ سرزدہوجانے پراگر سچے دل سے توبہ کی جائے تواس کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔

**ومن تاب وعمل صالحا فإنه يتوب إلى الله متابا.**

(**الفرقان** : ۷۱)

(**ترجمہ**) جوشخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہےتو وہ اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے۔

**وإني لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدى.** (طه : ۸۲)

(**ترجمہ**) البتہ جوتوبہ کرلےاورایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے اس کے لئے بہت درگذر کرنے والا ہوں ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تربیت کا ایک جامع اور وسیع تصور ہے جوانسانی زندگی کیچاروں پہلوؤں کومحیط ہے، یہ تربیت ہمہ جہت تربیت ہے، اوراس کا دائرہ پوری زندگی کومحیط ہے، یہ ایسا عمل ہے، جوساری زندگی جاری رہتا ہے، اور انسان کی تربیت ہوتی رہتی ہے، اس تربیت کے نتیجہ میں اس کا مقام انسانیت بلند تر ہوتاجاتا ہے۔حتی کہ یہ ممکن ہے کہ ایک انسان اپنے ابناء جنس ہزاروں گنازیادہ بلند مقام حاصل کرلے، یہ شرف کسی اورمخلوق کوحاصل نہیں ہے۔انسان ہی واحد مخلوق ہے جو الٰہی تربیت کے نتیجہ میں اس مقام پرفائز ہوسکتی ہے۔انسان کا یہ تربیتی نصاب پوری طرح اللہ تعالیٰ کی مدداوراس کی عطا کردہ آسانیوں سے مزین ہے، نیز اس تربیت کو جزوزندگی بنا کر اگر کوئی اس دنیا سے جاتا ہےتو پوری توقع ہے کہ اس کو ایسا انعام حاصل ہوگا جس کا تصور بھی انسان نہیں کرسکتا۔

# ذات پات کی تفریق اور اسلام کا تصور مساوات

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی
ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

آج کی ترقی یافتہ دنیا کا یہ نعرہ ہے کہ دنیا کا ہر انسان محترم ہے۔ اسے آزادی اور مساوات چاہیے۔ زندگی کے ہر میدان میں اُسے برابری اور آزادی کیساتھ پھلنے پھولنے کا موقع ملے۔ یہ اس کا پیدائشی اور بنیادی حق ہے۔ اس کی بہرحال خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے لیے کانفرنسیں اور سمینار منعقد ہو رہے ہیں اور پروپیگنڈے کے سارے ذرائع استعمال کیے جا رہے ہیں۔ لیکن جب زمینی سطح پر اس کا جائزہ لیا جاتا ہے تو نتیجہ اس کے برعکس صفر سے کچھ آگے نہیں بڑھتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا فکر وعمل کے تضادات سے دوچار ہے۔ یہ جن افکار ونظریات اور عقائد کی حامل ہے ان کی اساس ہی طبقاتی نظام پر رکھی گئی ہے اور وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے ہیں کہ دنیا کے سارے انسانوں کو برابر قرار دیا جائے اور دنیا سے رنگ ونسل، ذات پات، اونچ نیچ، کالے گورے کے سارے امتیازات مٹا دیئے جائیں۔ اس سلسلے میں اصولی بات یہ ہے کہ اکثر ادیان ومذاہب خواہ وہ سماویہ ہونے کے دعویدار ہوں یا غیر سماویہ، ہر دو صورت میں زندگی گزارنے کے لیے کوئی مکمل لائحہ عمل ان کے پاس نہیں ہے اور نہ وہ زندگی کے تمام شعبوں، حقوق ومعاملات اور اخلاقیات میں رہنمائی کا اہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہتیرے مقامات پر یہ خاموش نظر آتے ہیں گویا وہ مکمل دین بننے کی صلاحیت سے ہی محروم ہیں چہ جائیکہ وہ فلسفۂ دین کے نام پر جزئیات اور انسانی حقوق ومساوات کی بات کریں۔ مقابلہ وموازنہ کی بات تو دور کی ہے۔ تاہم یہ مذاہب موجود ہیں اور انسانی اور مساوات کے بلند وبانگ دعوے بھی کرتے ہیں بلکہ اس سے چند قدم آگے بڑھ کر حقوق انسانی کے حقیقی علمبردار دین اسلام کو ہی اس سلسلے میں مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ ذیل میں حقوق انسانی اور عدل ومساوات کے حوالے سے مذاہب عالم کی تعلیمات مختصر طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

## ہندوازم:

ہندومت کا سارا نظام برہمنیت اور ورن آشرم کے گرد گھومتا ہے۔ اس کی نظر میں برہمن انسان ہوتے ہوئے بھی مافوق الانسان ہے جو پیدائشی طور پر غیر معمولی حقوق وامتیازات کا مالک ہے۔ ''منوسمرتی'' ہندوازم کی مستند ترین کتاب ہے اس کے اندر انسانوں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ چار طبقوں میں بانٹا گیا ہے۔ منو کہتا ہے:

واسطے ترقی عالم کے برہما نے مکھ سے براہمن کو، بانہہ سے کشتری کو، جانگھ سے ویش کو اور پاؤں سے شودر کو پیدا کیا۔ (منوسمرتی ادھیائے: ۱۰: ۳۱، ترجمہ لالہ سوامی دیال، نول کشور)

پھر منو نے ہر طبقے کے لیے الگ الگ کرم متعین کیے۔ چنانچہ برہمن کے لیے وید پڑھنا پڑھانا، یگیہ کرنا کرانا، دان دینا اور دنیا کی نعمتوں میں دل نہ لگانا۔ کشتری کے لیے رعایا کی حفاظت کرنا، دان دینا، یگیہ کرنا، وید پڑھنا اور دنیا کی نعمتوں میں دل نہ لگانا، ویش کے لیے چار پایوں کی حفاظت کرنا، دان دینا، یگیہ کرنا، وید پڑھنا، تجارت کرنا، سود بیاج لینا، کھیتی کرنا اور شودر کے لیے ایک ہی کرم، صدق دل سے ان

تینوں ورنوں کی خدمت کرنا مقرر کیا۔ (دیکھئے: ادھیائے ۱/۸۹-۹۱)

منو کے نزدیک بڑائی صرف برہمن کے لیے ہے اور شودر کے لیے ذلت وپستی کے سوا کچھ نہیں نیز یہ کہ برہمن کی خدمت میں ہی اس کی نجات ہے۔ ایک جگہ منو اس کا مقام متعین کرتے ہوئے کہتا ہے:

''چانڈال، سور، مرغا، کتا، حیض والی عورت، نامرد یہ سب لوگ برہمن کو بھوجن کرتے ہوئے نہ دیکھیں۔ (ادھیائے۔۳:۲۳۹)

نیز وہ لکھتا ہے ''جو برہمن ذات ہو اور براہمن کا کرم کچھ بھی نہ کرتا ہو اور مورکھ ہو تو وہ بھی وہ راجہ کو دھرم کا اپدیش کرسکتا ہے اور شودر کیسا ہی ہو وہ اپدیش نہیں کرسکتا۔'' (ادھیائے۔۷:۲۰)

منو کا فوجداری قانون بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ کہتا ہے اگر شودر براہمن یا کشتری یا ویشیہ سے سخت زبانی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کیا جائے کیوں کہ وہ عضو حقیر یعنی پاؤں سے پیدا ہوا ہے۔ (ادھیائے۔۸:۲۷) اس کے برعکس اگر شودر کسی زیادتی کا شکار ہو تو حتی کہ وہ قتل بھی کر دیا جائے تو اس کی سزا وہی ہوگی جو بلی کتا مارنے کی۔ چنانچہ منو کا فرمان ہے۔

''بلی، نیولا، نیل کنٹھ، مینڈک، کتا، گوہ، الو، کوا ان میں سے کسی ایک کو مارنے کا وہی کفارہ ہے جو شودر کو قتل کرنے کا''۔ ان اقتباسات کی روشنی میں ہندو دھرم کے نظریہ انسان اور نظریہ طبقات وعدم مساوات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

## یہودیت:

یہودیت ہندوازم کے بعد دوسرا قدیم مذہب ہے اس کا نظام بھی قومی تفوق اور نسلی امتیاز پر اس طرح قائم ہے کہ اس کی موجودگی میں اخوت ومساوات، عدل وانصاف اور تکریم انسانیت کا تصور ممکن نہیں ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ منتخب جماعت، اللہ کے بیٹے اور عزیز ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے اس دعویٰ کو یوں بیان کیا ہے۔ ﴿وقالت الیھود و النصاری نحن ابناء اللّٰہ و احباؤہ﴾ (المائدۃ:۱۸)

''یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے عزیز ہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ وہ خواہ کوئی بھی عمل کریں جہنم کی آگ چند دن سے زیادہ، انہیں نہیں جلائے گی۔ قرآن میں ہے:

﴿وقالوا لن تمسنا النار إلا أیاما معدودات﴾ (البقرۃ:) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو چند روز جہنم میں رہیں گے۔ حتی کہ انہوں نے جنت کا مستحق یہود ونصاریٰ کو ہی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وقالو لن یدخل الجنۃ إلا من کان ھودا أو نصاری﴾

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود ونصاریٰ کے سوا کوئی نہیں جائے گا۔

جو قوم اس طرح مبنی بر تفوق اور قومی امتیاز کا نظریہ رکھتی ہے اس سے کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ عام انسانیت کے بارے میں عزت واحترام، عدل ومساوات کا برتاؤ روا رکھے گی اور دوسری قوموں کو بھی یکساں حقوق دے گی۔ چنانچہ فوجداری قانون کے سلسلے میں تالمود کا بیان ہے:

''اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔ مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہئے کہ گرد وپیش میں آبادی کن لوگوں کی ہے۔ اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے۔ غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اُسے

بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہئے''۔

ربی شموئیل کہتا ہے کہ اگر اُمی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق ہی بھائی کو جتوا سکتا ہے تو اس کے مطابق جتوالے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے۔ اور اگر امیوں کے قانون کے تحت جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوائے اور کہے کہ یہ تمہارا قانون اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کرسکتا ہو کرے۔

**بدھ مت:**

یہ بھی دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے اور اس کے کروڑوں متبعین دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے ماننے والوں کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب نسلی امتیازات اور گروہی تعصّبات کو مٹا کر اخوت و بھائی چارے کا پیغام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہندوؤں کی بڑی تعداد ورن آشرم اور برہمن واد سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بدھ مت اختیار کر رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی یہ مذہب انسانیت کے دکھوں کا درماں ہے اور اپنے اندر سماج کو نسلی امتیازات سے چھٹکارا دلانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مہاتما بدھ کی تعلیمات میں طبقاتی نظام کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے کہ انہوں نے ایک جگہ کہا ہے کہ جنم سے نہ کوئی چنڈال ہوتا ہے اور نہ کوئی براہمن بلکہ انسان اپنے کرموں کی وجہ سے ہی براہمن یا چنڈال بنتا ہے۔ (ست نیپات)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدھ مت پر رہبانیت یعنی ترک دنیا کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ اس کے ہوتے سماجی نابرابری کو مٹانے اور سب کو آزادی ومساوات اور انصاف دلانے کے سلسلے میں مؤثر کردار نبھانے کی توقع نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ وہ ہندومت کی پیدا کردہ ذات پات کی خرابیوں کی اصلاح کرے۔

**عیسائیت:**

عیسائیت اپنے ماننے والوں کی تعداد کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ بدھ مت کی طرح عیسائیت بھی انسانیت کو آزادی ومساوات سے ہمکنار کرانے کی مدعی ہے۔ حالانکہ نسلی امتیازات کی چھاپ اس میں بھی موجود ہے۔ اس کے متبعین صرف خود کو ہی جنت کی مستحق سمجھتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

﴿وقالوا لن يدخل الجنة إلا من كان هوداً أو نصارىٰ﴾ (البقرة:) وہ کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہود و نصاریٰ ہی داخل ہوں گے۔ نیز یہ کہ پیروان مسیح شریعت کی پابندی سے بے نیاز ہیں۔ وہ چاہیں جو بھی کریں خدا کے خاندان میں شامل رہیں گے۔

انجیل متی میں ہے مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے کیوں کہ تم سب اس ایمان کے وسیلہ سے جو مسیح میں ہے اس خدا کے فرزند ہو۔ اور تم سب جنہوں نے مسیح میں شامل ہونے کا بپتسمہ پہن لیا مسیح کو پہن لیا۔ (باب:۱۵-۲۷)

اتنا ہی پر بس نہیں بلکہ حضرت مسیح کی حقیقت قرآن کریم اور کتاب مقدس میں جو بیان کی گئی ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ساری انسانیت کے دکھ کا درماں بن سکیں اور اسے حقیقی آزادی ومساوات سے ہم کنار کرسکیں۔ اس لیے کہ ان کی بعثت تو صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ قرآن میں ہے: ﴿ورسولا إلى بني اسرائيل﴾ (آل عمران : ٤٩) اور انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ اور یہ بات حضرت مسیح نے اس وقت کہی تھی جب ایک کنعانی عورت نے اپنی مردہ بیٹی کو بدروح سے نجات دلانے کے لیے ان سے درخواست کی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر

معاملات زندگی کی طرح انسانیت کی بنیاد پر آزادی ومساوات کی تعلیم وتلقین بھی مسیحیت کے دائرے سے باہر ہے۔

یہی حال معاصر تہذیبوں اور جدید افکار ونظریات کا ہے کہ ان کی اساس ہی مبنی انسانی تفریق، نسلی برتری، ذات پات اور اونچ نیچ کے فلسفہ پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں حقوق انسانی کی سب سے بڑی دعویدار قومیں سب سے زیادہ حقوق انسانی کو پامال کر رہی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال امریکہ ہے۔ جس کے قومی مفادات کے سامنے انسانی جان کی کوئی قدر نہیں ہے۔

## اسلام دین عدل ومساوات ہے:

ان سب مذاہب اور نظریات کے برعکس اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کے اندر دنیا کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اسلام ہی وہ اکیلا مذہب ہے جو انصاف، مساوات، برابری اور انسانی حقوق کی تحفظ کی بات کرتا ہے جو وقت یا حالات کی پیداوار نہیں بلکہ وہ دائمی اور دیرپا ہے۔ اسلام سب سے پہلے انسان کو یہ درس دیتا ہے کہ ان سب کا خالق ومالک اور پروردگار ایک ہے اور یہ کہ صرف تم ہی نہیں بلکہ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے غلام اور بندے ہیں اس طرح اس عقیدۂ توحید کی برکت سے شان بندگی میں یکسانیت کی وجہ سے سارے انسان مساوی وہم پلہ ہو جاتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ دنیا کے سارے انسان بلاتفریق رنگ ونسل اور زبان وقوم مکرم ہیں، اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہر شخص کو باعزت بنایا ہے۔ فرمایا:

﴿ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰)

''یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی۔ اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں۔ اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی''۔

انسانی جان کی کرامت وشرافت کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو اسلام کی نگاہ میں اس ایک شخص کا قتل ساری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ ﴿من قتل نفساً بغير نفس أوفساد في الارض فكأنما قتل الناس جميعاً﴾

اور سارے انسانوں کو اصلاً مکرم ومعزز ہونا بھی چاہیے اس لیے کہ وہ سب کے سب نہایت مکرم وباعزت جوڑے آدم اور حوا کی اولاد ہیں تو پھر بھائی بھائی کے درمیان تفریق کیسی اور امتیاز کیسا۔ قرآن میں اس حقیقت کو بڑے واضح انداز میں آشکارا کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿يايها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساءاً واتقوا الله الذي تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيباً﴾ (النساء: ۱)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے اور ناطے توڑنے سے بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے''۔

اور دوسری جگہ اونچ نیچ، چھوت چھات، ذات پات اور نسلی وقومی تفریق مٹاتے ہوئے اور معیار فضیلت تقدمی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يايها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائلا لتعارفوا إن أكرمكم عندالله أتقاكم﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم سب کوایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے۔اوراس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو،تمہارے کنبےاور قبیلے بنادیئے ہیں۔اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جوسب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے''۔

اورمدنی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یاایها الناس إن ربکم وأن أباکم واحد لافضل لعربی علی عجمی ولا لأسود علی أحمر إلا بالتقویٰ خیرکم عنداللّٰه أتقاکم'' (فتح الباري: ٦/ ٣٣٨)

''اے لوگو! بیشک تم سب کارب ایک ہے اورتم سب ایک ہی باپ کے بیٹے ہو۔سن لو! کسی عربی کوعجمی پرکوئی برتری حاصل نہیں ہے یا کسی کالے کوگورے پرسوائے تقوی کے۔تم سب میں بہتراللہ کے نزدیک وہ ہے جواس سے زیادہ ڈرنے والا ہے''۔

اسلامی نقطۂنظر سے صرف یہی نہیں کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہی ہےاوروہ ایک آدم وحوا کی اولاد ہیں اور یہ کہ وہ سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔﴿إنما المؤمنون إخوة﴾ بلکہ وہ اس عہد بندی میں برابر کے شریک ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی ذریت سے لیا تھا۔اس میں کسی خاص نسل انسانی کی تخصیص نہ تھی۔

﴿وإذ أخذ ربک من بني آدم من ظهورهم ذريتهم وأشهدهم علی أنفسهم ألست بربکم قالوا بلیٰ شهدنا أن تقولوا یوم القیامة إنا کنا عن هذا غافلین أوتقولوا إنما أشرک أباءنا من قبل وکنا ذرية من بعدهم أفتهلکنا بما فعل المبطلون﴾(الاعراف: ١٧٢-١٧٣)

''اورجب آپ کے رب نے آدم کی پشت سے ان کی اولاد کونکالا اوران سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ میں تمہارارب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ہم سب گواہ بنتے ہیں۔تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تواس سے محض بے خبر تھے۔یایوں کہو کہ پہلے پہلے شرک توہمارے بڑوں نے کیااورہم ان کے بعدان کی نسل میں ہوئے۔سوکیاان غلط راہ والوں کے فعل پرتوہم کوہلاکت میں ڈالے گا''۔

اسلام نے خلافت ارضی کا مستحق ہرشخص کوقرار دیا ہے۔

﴿واذ قال ربک للملائکة إنی جاعل في الأرض خليفة﴾ (البقرة: ٣٠)

''اور یادکرو اس وقت کوجب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پراپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''۔

خلافت وامامت کسی خاندان کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ جس کے اندربھی خلافت وامامت کی صفات پائی جائیں گی وہ اس کا حق دار ہوگا۔اللہ کے نبی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کوجب اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز سے آزمالیا اور وہ ہرآزمائش میں کامیاب ثابت ہوئے تواللہ نے کہا کہ میں تم کولوگوں کا امام بناتا ہوں۔حضرت ابراہیم نے کہا میری آل واولاد کوبھی یہ شرف حاصل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لاینال عهدی الظالمین﴾

''میرے عہد(امامت وخلافت) کوظالم نہیں پاسکتے''

اسلام کی نگاہ میں ہرشخص کی علمی وفکری قوتیں یکساں ہیں اور ہرشخص کوعلم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔امیر ہو یاغریب ہرشخص عالم ودانشور بن سکتا ہے۔حصول علم کسی مخصوص طبقے کے لیے خاص نہیں ہے۔فرمایا:

﴿إقرأ باسم ربک الذي خلق خلق الإنسان من علق إقرأ

وربک الأکرم الذي علم بالقلم علم الإنسان مالم یعلم﴾ (علق: ۱-۵)

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہ۔ تیرا رب بڑا کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔''

عمل صالح کے سلسلے میں بھی کسی نسل، قوم یا جنس کی قید نہیں رکھی گئی بلکہ یہ عام ہے۔ مرد، عورت، حبشی، امریکی سب اعمال صالحہ کے پھولوں سے اپنے گلدستہ اعمال کو بھر سکتے ہیں۔

﴿ومن عمل صالحا من ذکر و أنثی وھو مومن فلنحیینه حیاة طیبة ولنجزینھم أجرھم بأحسن ما کانوا یعملون﴾ (النحل: ۹۷)

''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے۔''

اسی طرح ہر شخص کسی کو بھی برائی سے روک سکتا ہے۔ معروف کی تلقین کر سکتا ہے۔ اس میں جنس یا نوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ صرف ایمان باللہ شرط ہے۔

﴿والمومنون والمؤ منات بعضھم أولیاء بعض یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر﴾ (التوبة: ۷۱)

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار معاون اور دوست ہیں۔ وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔''

﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔''

ہر شخص کو اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ وہ محنت کرے، رزق کمائے اور زمین میں پھیل کر اللہ کا فضل تلاش کرے۔ اپنی مرضی کے مطابق ذریعہ معاش اختیار کرے۔ نیز یہ کہ جو جس قدر محنت کرے گا اسی قدر اس کو کمائی ہاتھ آئے گی۔ فرمایا:

﴿وأن لیس للإنسان إلا ماسعی﴾ (النجم: ۳۹)

''اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی''۔

﴿فاذاقضیت الصلاة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل اللّٰه واذکروا اللّٰه کثیرا لعلکم تفلحون﴾ (الجمعة: ۱۰)

''پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (کاروبار) تلاش کرو، اور اللہ کا بکثرت ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اور فرمایا: ﴿للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن﴾ (نساء: ۳۲)

''مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔''

لیکن ہاں! اس سب کے باوجود اگر کوئی شخص غریب و محتاج رہ جاتا ہے تو وہ بھوکوں نہیں مرے گا بلکہ دولت مند اور خوشحال طبقہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے محتاج و غریب بھائی کو کھلائے پلائے۔ شریعت کہتی ہے "تؤ خذ من اغنیاء ھم وترد إلی فقراء ھم" زکوۃ و صدقات امیروں سے لیے جائیں گے اور غریبوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔

طلب معاش کی طرح ہر شخص اس بات کا حق دار ہے کہ اسے انصاف ملے۔ کوئی امارت یا خاندانی شرافت کی وجہ سے قانون کے

دائرے سے باہر نہیں ہوگا اور نہ ہی غربت کی وجہ سے کوئی انصاف سے محروم رہے گا۔ بلکہ قانون کی نگاہ میں محمود وایاز برابر تصور کیا جائے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

**"لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها"**

**(مسلم: كتاب الحدود، باب قطع يد السارق)**

اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جب عام شہری نے بادشاہ وقت کو عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے اور قاضی نے بھی اس کے ساتھ عام شہریوں جیسا ہی سلوک روا رکھا ہے۔ قاضی شریح کی عدالت میں ایک زرہ سے متعلق یہودی کے ساتھ خلیفہ وقت حضرت علیؓ کی پیشی اس کی زندہ مثال ہے۔

اسی طرح اسلام کی نگاہ میں ہر شخص کو برابری کے ساتھ یہ حق حاصل ہے کہ اگر اس کا کوئی فرد قتل کر دیا جائے تو اس کا قصاص لے گا۔ یا جزوی نقصان ہو تو جزوی قصاص لے گا مثلاً ناک کا بدلہ ناک، آنکھ وغیرہ۔ ﴿**وكتبنا عليهم فيها أن النفس بالنفس والعين بالعين والأنف بالأنف والأذن بالأذن والجروح قصاص**﴾ **(المائدة: ٤٥)**

''اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔''

الغرض یہ کہ اسلام زندگی کے بعض معاملات میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر مرحلے اور گوشے میں عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کی تعلیم دیتا ہے اور اس کے جس پہلو سے بھی غور کیا جائے وہی پہلو اس حقیقت کو اجاگر کرتا نظر آتا ہے۔ عدالت کی کوٹھری ہو یا ایوان مملکت، میدان حرب وضرب ہو یا صلح وآشتی کا موقع ہر حال میں اسلامی مساوات اور عدل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اور تاریخ اسلام اس پر شاہد عدل ہے، تفصیل مانع ہے، ورنہ مثالوں سے اس کی وضاحت مفید ہوتی دراصل اسلام اپنے عقیدہ وتوحید عقیدہ آخرت اور جزاء وسزا سے لیکر معاملات واخلاق اور ہر چیز میں نفوس کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ وہ طبقاتی کشمکش اور اونچ نیچ، بھید بھاؤ کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ساتھ ہی ساتھ ان عوامل کی بھی بیخ کنی کرتا ہے جو ذات پات، اونچ نیچ، رنگ ونسل اور خاندان وبرادری کی لعنت یا کسی بھی طرح کی عصبیت کو ہوا دیتے ہیں۔ مثلاً حسب ونسب، مال واولاد، طاقت وقوت، حسن وجمال، علم وفن اور تہذیب وتمدن وغیرہ۔

چنانچہ حسب ونسب حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿**فإذا نفخ في الصور فلا أنساب بينهم يومئذ ولا يتساؤلون**﴾ (مومنون:۱۰۱)

''جس وقت صور میں پھونک ماری جائے گی تو اس دنیا میں لوگوں کے درمیان حسب ونسب کا کوئی لحاظ نہ رہ جائے گا نہ تو وہ ایک دوسرے کے بارے میں دریافت کریں گے۔''

چنانچہ مال واولاد کے سلسلے میں فرمایا:

﴿**المال والبنون زينة الحياة الدنيا والباقيات الصالحات خير عند ربك ثوابا وخير أملا**﴾ **(الهكف: ٤٦)**

''مال واولاد تو دنیا کی ہی زینت ہے اور ہاں البتہ باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک از روئے ثواب اور آئندہ کی اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿**إن الذين كفروا لن تغني عنهم أموالهم**

ولا أولادهم من الله فأولئک هم وقود النار﴾

''کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں۔''

طاقت وقوت کے متعلق ارشاد ہوا۔

﴿وقال لهم نبيهم إن الله قد بعث لكم طالوت ملكا قالوا أنى يكون له الملک ونحن أحق بالملک منه ولم يوت سعة من المال قال إن الله اصطفاه عليكم وزاده بسطة في العلم والجسم والله يؤتي ملكه من يشاء والله واسع عليم﴾ (البقرة: ۲٤۷)

''اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنادیا ہے تو کہنے لگے کہ اس کی بھلا ہم پر حکومت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حق دار بادشاہت کے ہم ہیں۔ اس کی تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اُسے علمی وجسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔''

حسن وجمال کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن الله لاينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم" (مسلم، كتاب البر والصلة. باب تحريم ظلم المسلم)

''اللہ تمہاری صورتوں (حسن وجمال) کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

اسی طرح تہذیب وتمدن کی بے ثباتی کو یوں ظاہر کیا گیا: ﴿وكم أهلكنا قبلهم من قرن هم أشد منهم بطشا فنقبوا في البلاد هل من محيص إن في ذلک لذكرى لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد﴾ (ق: ۳٦-۳۷)

''اور ان سے پہلے بھی بہت ساری امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں۔ وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے، اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے جو دل سے کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔''

یہی وہ روشن، جامع، انسانیت نواز عدل ومساوات اور اخوت وبھائی چارے کی ضامن اسلامی تعلیمات تھیں کہ زیادہ دن نہیں گزرا کہ عرب کی بدو قوم جس کے اندر رنگ ونسل اور طبقاتی نظام زوروں پر تھا اس طرح آپس میں سیر وشکر ہوئی اور اخوت ومحبت کی لڑی میں ایسی پروئی کہ ساری حد بندیاں ختم ہوگئیں آقا وغلام کی تفریق مٹ گئی۔ اونچ نیچ کا فرق ختم ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ کالے کلوٹے بلال حبشی کو آقا آقا کہتے فاروق اعظم کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ اور فارس کے سلمان "سلمان منا أهل البيت" کے مقام جلیل پر فائز ہوگئے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ عرصے سے دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر بھی ذات پات، اونچ نیچ، خاندان وبرادری اور ارزال واشراف کی تفریق وبا کی طرح پائی جاتی ہے۔ جو بلا شبہ ہر لحاظ سے قابل مذمت اور اسلامی روح کے منافی ہے۔ اس طرز فکر کی ہمت شکنی ہونی چاہئے۔ اس سے محبت کے بجائے نفرت وعداوت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ جو نہ صرف مسلمانوں کی کمزوری ورسوائی کا باعث ہے بلکہ اسلام جو دین عدل ومساوات، اخوت وبھائی چارہ اور تکریم انسانیت کا دین ہے اس کی رسوائی ہوتی ہے۔ اللہ کرے کہ ساری دنیا اسلام کے نظام عدل سے فیضیاب ہو۔

# مسلمانوں کے مسائل: احتساب خویش کی بھی ضرورت ہے

مولانا وارث مظہری
مدیر ''ترجمان دارالعلوم'' نئی دہلی

''ہندستانی مسلمانوں کے مسائل'' کا موضوع اہم مگر بقول شخصے پیش افتادہ اور ٹارٹایاسا ہے۔ اس پر اتنا کچھ لکھا جاتا رہا ہے کہ بظاہر اب قلم اٹھانے کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ کانفرنسیں، سیمینار، دینی وسیاسی طرز کے اجتماعات... سب میں یہ موضوع پیش پیش نظر آتا ہے۔ ہندستان میں مسلم صحافت -خواہ جیسی بھی اور جس شکل میں بھی ہو- کے حوالے سے تواتر کے ساتھ اس موضوع پر چیزیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ یہ موضوع چندان موضوعات میں سے ایک ہے جس پر بولنا ہر شخص اپنا فرض تصور کرتا ہے۔ نہ اس کے لیے اہلیت کی شرط اور نہ ہی اس سوال کی گنجائش کہ اس پر لکھنے یا بولنے والے کے میدانی تجربات کیا ہیں؟ وہ کس حیثیت میں اس موضوع پر اظہار خیال کر رہا ہے۔

اگر صحیح معنوں میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان، جس میں سبھی طبقے شامل ہیں: تعلیم یافتہ وغیر تعلیم یافتہ لوگ، دانش وران یا دینی حلقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات شاید اب تک صحیح تجزیے اور غور وفکر کے بعد یہی فیصلہ نہیں کر پاسکے ہیں کہ مسلمانوں کے حقیقی مسائل اس ملک میں کیا ہیں؟ ان کی صحیح نوعیت کیا ہے؟ اور ان کے حل کی ممکنہ تدابیر اور اقدامات کیا ہوسکتے ہیں؟ دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ ہر شخص یا جماعت اس سلسلے میں اپنی ہی فکر کی پابند ہے اور اپنے ہی طور پر مسائل کے ادراک اور ان کے ''حل'' میں ''مصروف کار'' ہے۔ گویا قرآن کے لفظوں میں: ''**کل حزب بما لدیھم فرحون**'' (ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے، مگن ہے۔ الروم:۳۲) کا منظر ہر طرف نظر آتا ہے۔ ملک کی آزادی سے قبل اشتراک کار اور تعاون باہمی کی جو روح اجتماعی سطح پر کام کرنے والے اداروں اور قائدین کے درمیان موجود تھی وہ آہستہ آہستہ معدوم ہوتی چلی گئی۔ اسی طرح آزادی کے بعد مسلمانوں کا کوئی ایسا مشترکہ نصب العین بھی سامنے نہ آسکا جس پر مسلمانوں کی اکثریت کا اتفاق واتحاد ہو۔

دورِ جدید میں دو چیزوں نے لوگوں سے ان کے فطری انداز فکر کو سلب کرلیا ہے۔ ان میں سے پہلی چیز سیاست اور دوسری صحافت ہے۔ سیاست یا صحافت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ آج کی مفاد پرست جمہوری سیاست اور بے لگام زرد صحافت کا انسانی سماج میں اتنا اثر ونفوذ ہے کہ عام انسان بھی انہیں کے آئینے میں اپنی اور اپنے سماج کی تصویر دیکھنے اور انہیں کے حوالہ سے اکثر موضوعات پر غور وفکر کا عادی ہوچکا ہے۔ ایک معمولی معاملہ سیاست اور سنسنی خیز یت پسند صحافت کے ہاتھوں میں پڑ کر ایک بہت بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اور پھر اس ایک مسئلہ سے ہزاروں قسم کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ عمرانہ، عارف گڑیا اور ان سے مماثل واقعات کے تناظر میں اس حقیقت کو جانا پرکھا جاسکتا ہے۔ خاموشی بہت سے مسائل کا بہترین حل ہوتی ہے۔ لیکن عام حالات میں

سیاست اور صحافت کی کرشمہ سازی سے ایسا نہیں ہو پاتا۔ سیاست صرف بولنے اور چیخنے کا ہی نام نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی فن ہے۔ لیکن ہمارے سیاست داں اس سے واقف نہیں۔ صحافت اپنے مشن اور مقصد کے اعتبار سے حقیقت نمائی کا دم بھرتی ہے۔ یہ بات یکسر غلط بھی نہیں لیکن تجارت پیشہ صحافت کے غلبے نے اس بھرم کو کسی حد تک ذہنوں سے نکال دیا ہے۔ آج کا سنجیدہ اور صاحبِ فکر انسان بھی جمہوری سیاست کی بھول بھلیوں اور صحافت کے ہنگامہ خیز پروپیگنڈوں سے متأثر ہوکر اپنی سوچ کو صحیح رخ دینے سے قاصر ہے، ہندوستانی مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ مصر میں انیسویں صدی کی مشہور علمی شخصیت مفتی محمد عبدہ (۱۹۰۵-۱۸۴۹ء) نے اسی لیے بجا طور پر موجودہ سیاست سے ان لفظوں میں اپنی براءت کا اظہار کیا تھا۔ **اللھم اني اعوذبک من السیاسة وساس یسوس وسائس ومسوس** (اللہ ہم سیاست، سیاست کی، کرتا ہے، کرنے والے اور جس پر کی جائے، سب سے تیری پناہ چاہتے ہیں)

حقیقت میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کے نام نہاد دانش وروں کا مصنوعی طرز فکر ہے جو فطری سوچ، صحیح غور وفکر، تاریخ وواقعات کی روشنی میں حالات کے گہرے تجزیے، کے بجائے منفی محرکات، پروپیگنڈے، جوش وجذباتیت، کشاکش ذہنی اور قنوطیت پسندی وغیرہ کے تحت وجود میں آیا ہے۔ اس غیر فطری سوچ کا نتیجہ ہے کہ آج تمام تر بلند دعوؤں، نعروں، خوبصورت شعارات (Mottos) اور متأثر کن اہداف ومقاصد کے ہنگاموں کے باوجود ہندوستان کی امت مسلمہ ہر میدان میں پسماندہ اور ہر محاذ پر شکست خوردہ نظر آتی ہے۔ تعلیم، معیشت، سیاست، صحافت، ملازمت، تہذیب ومعاشرت وغیرہ، ہر چیز پر مسلمانوں کے مقابلے میں دیگر اقوام کی بالاتری بلکہ اجارہ داری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے اپنے مسائل کے حل کے لئے اپنے اندر تعمیری فکر پیدا کرنا ہوگی اس کے بعد مسائل کی صحیح طور پر تشخیص اور درجہ بندی کا مرحلہ ہے۔ ہمیں اس نظریے کو تسلیم کرنا ہوگا ایک مسئلے سے دوسرا مسئلہ جنم لیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم ایک بڑے مسئلے پر قابو پالیں تو اس کے ضمن میں سر ابھارنے والے بہت سے مسائل خود بخود ہی ختم ہو جائیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ ان کے اندر تعلیم کی کمی ہے۔ اس بنیادی کمزوری نے مسلم معاشرے کو کھوکھلا اور بے اساس بنا دیا ہے۔ مسلم سماج کی صحیح معنوں میں اصلاح اور اس کا حصہ بننے والے مسلمانوں کی ذہنی اور فکری تشکیل کا کوئی بھی منصوبہ اس کمی کے مناسب ازالے پر عمل میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ ہمارے داخلی مسائل کون کون سے ہیں اور خارجی مسائل کیا ہیں؟ بالفاظ دیگر کون سے مسائل خود ہمارے ساختہ وپرداختہ ہیں اور کن کا تعلق ہمارے مخالفین اور بدخواہوں کی کرتوت اور سازشوں سے ہے۔ کون سے مسائل ایسے ہیں جنہیں ترجیحی بنیادوں پر پہلے نگاہ میں رکھنا چاہیے اور دوسرے وہ کون سے مسائل ہیں جن کو دوسرے یا تیسرے نمبر پر رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے تجزیے اور ادراک کی ضرورت ہے۔

چند سال قبل پاکستان کے مشہور اسلامی قائد اور ادارہ تنظیم اسلامی لاہور کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے رسالے ''میثاق'' (لاہور) کے اداریے میں لکھا تھا کہ: صوبہ سندھ، جہاں ہندو کثیر تعداد میں آباد ہیں، میں یونیورسٹی کی سطح پر ہندو طلباء کے امتحانی نتائج مسلم طلباء کے مقابلے میں زیادہ بہتر پائے گئے۔ اس کی خاص اور بنیادی وجہ ہندو طلباء کی علاقائی اور وطنی سیاست کے شوروشغب سے کنارہ کشی ہے۔

کسی بھی ملک میں اقلیتوں کے لئے اضافی طور پر مسائل کا ہونا تقریباً ایک ناگزیر امر ہے، اس لیے ان کے لئے ضروری ہوتا ہے

کہ وہ خاموشی کے ساتھ کوشش اور جدوجہد بھی دوسروں کے مقابلے میں اضافی سطح پر کریں۔ یہی صفت دوسروں کے مقابلے میں انہیں کھڑا رکھ سکتی ہے۔

ہمیں اس بات کے اعتراف میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ہم نے اب تک اپنی توجہ کو زیادہ تر مسائل پر مرکوز رکھا ہے۔ امکانات پر توجہ کم دی ہے۔ حالانکہ ہندوستان کی سرزمین مسلمانوں کے لیے اب بھی اپنے اندر مسائل سے زیادہ امکانات پوشیدہ رکھتی ہے اس لیے اب ضرورت اس بات کی شدید داعی ہے کہ مسائل کو موضوع بحث بنانے سے زیادہ امکانات اور مواقع کی تلاش و دریافت کی کوشش کی جائے۔

اسی طرح مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آج احساس کمتری کی شکار نظر آتی ہے۔ خواہ وہ خود اس سے منکر ہو، لیکن حقیقت میں وہ خود کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھنے لگی ہے۔ مسائل کے باب میں سیاست واقتدار کے آستانوں سے مراعات وتحفظات کی طلب کی سیاست اسی کی غماز ہے۔ حالانکہ مسائل، اقلیتوں کے ہوں یا اکثریت کے صرف مطالبات کی بنیاد پر کبھی حل نہیں ہوتے، اس کے حل کے لیے سنجیدہ انداز میں کوششوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی یونیورسٹی کے کامیاب اور ناکام مسلم طلباء کی ذہنیت کو پرکھئے تو معلوم ہوگا کہ کامیاب طالب علم ہمیشہ اپنی کامیابی کو جدوجہد اور محنت وکاوش کا رہین منت سمجھتا ہے۔ جب کہ ناکام طلباء اپنی ناکامی کو مسلمانوں کے ساتھ اس ملک میں برتے جانے والے تعصب وجانب داری کے خانے میں ڈال دیتے ہیں ہماری ایک کثیر تعداد اکثر معاملات میں اسی ذہنیت سے سوچنے کی عادی ہوگئی ہے۔

ہمیں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہم نے اس ملک کی غیر مسلم اکثریت کے مزاج، مذہب اور تاریخ وثقافت کو سمجھنے اور پرکھنے کی اس انداز اور نہج پر کوشش نہیں کی جس کی ضرورت تھی۔ ذرا یہی دیکھئے کہ ملک کی فسطائی طاقتوں سے متعلق ہمارے حلقوں میں کس قدر بے چینی کا ماحول پایا جاتا ہے۔ لیکن ہم میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو سنگھ پریوار کی تاریخ، تنظیم، سرگرمیاں پلاننگ اور طریق کار وغیرہ سے واقف ہیں؟ کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہندو فکر وفلسفے اور مذہب ومعاشرت کا اصولی اور بنیادی سطح پر علم رکھتے ہیں؟

اس میں شک نہیں کہ آزادی کے بعد فرقہ پرست طاقتوں کی مسلمانوں پر گھیرا بندیاں سخت سے سخت تر ہوتی رہیں اب جس نے قتل وتخریب کاری کی منظم تحریک کی شکل اختیار کرلی ہے اس سے نبرد آزمائی کے لیے مسلمانوں کی طرف سے جس نوع کی فکر یا کوشش کی جاتی رہی ہے وہ یا تو خود اپنے طور پر زور آزمائی کا ہے یا حکومت کے آگے شکایات واحتجاج کا اس کی اپنی افادیت سے مطلقاً انکار کی روش بے عقلی پر مبنی ہے تاہم اس ملک کے زمینی حقائق مسلمانوں سے ان دو ضمنی راستوں کے ساتھ تیسرے بڑے راستے کی طرف رہنمائی کررہے ہیں اور وہ تیسرا راستہ خاموشی کے ساتھ زندگی کے مختلف میدانوں (تعلیم، معیشت وغیرہ) میں جدوجہد کے ساتھ خود کو استوار (Establish) کرنے اور آگے بڑھانے کا ہے۔ یہ خاموش مقابلہ ہی فرقہ پرستوں کے عزائم پر پانی پھیر سکتا ہے۔ آج مسلم قیادت کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں، بالخصوص نوجوانوں کو حالات کی تبدیلی اور زمانے کی نزاکتوں کا احساس دلائے۔ جذباتیت، خوش فہمی، حالات کی شدت کے نتیجے میں دل برداشتگی ومایوسی سے نجات دلانے کی سعی کرے۔ انہیں اس بات پر مائل کرے کہ وہ مکمل خود اعتمادی اور دوررس غور وفکر کے ساتھ ملک کے موجودہ سخت تر حالات اور چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ حالات کی بے رحمی اور اس سے پیدا ہونے والی کس مپرسی کی صورت حال کا شکوہ کرنے کی بجائے انہیں بدلنے اور اپنا موافق بنانے کی کوشش کریں۔

# لازمی نکاح رجسٹریشن اور پرسنل لا بورڈ کا موقف

وقارالدین لطیفی ندوی

شریعت اسلامی میں نکاح ایک اہم عبادت ہے۔ اسلام نے نکاح کے ادارے کو بڑا مرتب ومنظّم کیا ہے اس کی بنیادیں مستحکم بنائی ہیں اور اس کے نوک پلک سنوار کر اس مقدس اور پاکیزہ تعلق کو رعنائی و جمال بخشا ہے۔ درحقیقت نکاح دین کی تکمیل ہے، سنت رسول ہے، کمال ایمان کے لوازم میں سے ہے اور یہ ایک خالص دینی معاملہ ہے۔ معاملہ نکاح کے مختلف گوشوں کو سامنے رکھ کر علماء نے نکاح کو ''فعل عبادت'' قرار دیا ہے چنانچہ مجلس نکاح عبادت کی مجلس ہے۔ الغرض نکاح ایک مضبوط شرعی معاہدہ ہے ایسا پختہ عہد ہے جسے توڑنا گویا خدا کو ناراض کرنا ہے۔ نکاح کے چار مقاصد بیان کئے جاتے ہیں (۱) مرد وعورت کے اخلاق وپاکیزگی کی حفاظت (۲) نسل انسانی کی بقا اور اس کی افزائش (۳) سکون قلب اور مؤدت ورحمت (۴) دینی اور معاشرتی مصلحت۔

اسلام میں اگر نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرنے والا ہو تو وہ سب سے کامیاب نکاح ہے اور کامیاب نکاح کا مطلب ہے کامیاب معاشرہ۔ ایجاب وقبول اور دو گواہوں کی موجودگی ہی میں نکاح معتبر ہے۔ مسلم سماج میں نکاح کے اندراج کا طریقہ صدیوں پرانا ہے اور یہ نظام نظام قضا اور اوقاف کے تحت چلتا رہا ہے۔ ہندستانی مسلمانوں کے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ بعض صوبوں مثلاً آندھرا پردیش ومدھیہ پردیش وغیرہ میں صدیوں سے اب تک یہ رواج چلا آرہا ہے کہ وہاں منظّم اور مرتب طریقے پر نکاح کا اندراج ہوا کرتا ہے اب تو تقریباً ہر جگہ اور ہر علاقہ میں نکاح کے اندراج کا رواج عام ہے۔ اس ضرورت کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے محسوس کرتے ہوئے بورڈ کے تیرہویں اجلاس بمبئی میں ایک معیاری نکاح نامہ کی تیاری کی تجویز منظور کی جسے اٹھارہویں اجلاس میں منظور کیا گیا۔ اب بورڈ نے اس کو شائع کر دیا ہے اور وہ عام ہو رہا ہے۔

اس وقت پھر قانونی ضرورتوں کی خاطر حکومت نے نکاح رجسٹریشن پر توجہ کی جبکہ اس سے پہلے ۱۸۶۴ء میں ایک بل پاس ہوا اور وہ بالآخر قاضی ایکٹ ۱۸۸۰ء (۱۸۸۰ء کا ۱۲/واں ایکٹ) کے نام سے باقاعدہ ایک قانون بن گیا جس میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ ''اگر کسی علاقہ میں مسلمانوں کی خاصی تعداد ہو اور وہ حکومت سے قاضی یا قاضیوں کے تقرر کا مطالبہ کریں اور حکومت اسے مناسب سمجھے تو وہ علاقے کے بااثر مسلمانوں کے مشورہ سے موزوں افراد کا بطور قاضی تقرر کر سکتی ہے'' اس واضح قانون کے بعد عدالت یا حکومت کی طرف سے زور زبردستی بالکل نامناسب اور ایک طرح سے ہماری شریعت میں مداخلت ہے۔ نکاح کا رجسٹریشن حکومت کی نگرانی میں کرانا میرے خیال میں بالکل نامناسب اور مضر ہے۔

لازمی نکاح رجسٹریشن کو نکاح کے انعقاد یا اس کے ثبوت کے لئے ایسی ضروری شرط ماننا کہ اس شرط کے فقدان کی صورت میں نکاح کو

قانونی جواز ہی حاصل نہ ہو یا تنازع کی صورت میں نکاح کو غیر ثابت تسلیم کیا جائے یہ صورت ہر صورت میں غلط ہے، اس لیے کہ شرعاً انعقاد نکاح کے لیے ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی کے ساتھ کافی ہے، لہٰذا ایسی کسی بھی شرط کا اضافہ اپنے جی سے ہوگا، اور جسے شرع نے منعقد مان لیا ہو اس کو اپنی لگائی ہوئی شرط کے ذریعہ غیر منعقد قرار دینا پڑے گا، اسلامی تشریحات کی روشنی میں نکاح ان امور میں سے ہے جس کے ثبوت کے لیے دو گواہوں کی شہادت کافی ہے، اگر دو شہادتوں کی موجودگی کو کافی نہ سمجھ کر رجسٹریشن کو ضروری قرار دیا جائے تو یہ قانون شرع میں ترمیم ہوگی جس کی اجازت نہ تو شریعت میں ہے اور نہ ہی ملت کی دینی قیادت اس کی اجازت دے سکتی ہے۔

نکاح کے رجسٹریشن کو نہ انعقاد نکاح کے لیے ضروری قرار دیا جائے، اور نہ ہی ثبوت نکاح کے لیے۔ بلکہ محض ریکارڈ کے انضباط اور دوسرے مصالح کے پیش نظر قانونی طور پر لازم قرار دیدیا جائے، تو یہ صورت درست ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی طرف سے تین رائے آتی ہے۔ (۱) اگرچہ رجسٹریشن کا قانون اثر انعقاد نکاح یا ثبوت نکاح پر نہیں پڑتا ہو، پھر بھی ایسے عمل کا مکلّف کرنا ہے جس کی تکلیف شرع نے نہیں دی ہے۔ دوسرے اس کے قانونی لزوم کو مستحکم کرنے کے لیے اگر بصورت خلاف ورزی مستوجب تعزیر قرار دیا جائے تو یہ ایک ظلم ہوگا۔ (۲) اگر نکاح جیسے عمل کو سرکاری دفاتر میں رجسٹریشن کا پابند کردیا گیا تو عام رواج کے مطابق رشوت ستانی اور عدالتوں کی دوڑ بھاگ جیسی دس طرح کی کلفتوں میں نکاح جیسی سادہ تقریب مبتلا ہوکر رہ جائے گی، اور پھر رجسٹریشن کے سلسلہ میں جو اخراجات ہونگے وہ ایک مزید اضافہ ہوگا، اور یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس طرح کے معاملات میں سرکار کی قانون سازی کا دخل شروع ہوگیا تو آئندہ بڑے مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں (۳) ضرر عام کی صورت میں تسعیر (ریٹ کنٹرول) سے متعلق قانون سازی پر قیاس کرتے ہوئے بعض ایسے علاقوں کے لیے نکاح کے رجسٹریشن کو لازم قرار دینا درست ہوگا، جہاں عام طور پر غیر ملکی لوگ آکر نکاح کرتے ہیں اکثر اس نکاح میں دھوکہ ہوتا ہے، اور نکاح کے رجسٹرڈ نہیں ہونے کی وجہ سے بیرون ملک چارہ جوئی کی کوئی شکل بھی نہیں رہتی تو ایسے حالات میں صرف غیر ملکی افراد سے نکاح کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دیا جانا درست ہوگا۔

عام ہندستانیوں کے لیے نکاح کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دینا گویا ایک اہم مسرت وشادمانی کی مجلس کو سرکاری دفاتر کی جکڑ بندیوں میں الجھا کر تار تار کرنے کے مترادف ہوگا۔ جبکہ اسلام نے نکاح کو دیگر تمام مذاہب کے مقابلے سادہ اور آسان بنایا ہے۔ سرکاری دفاتر میں کاموں کی انجام دہی کا جو حال ہے اس کے پیش نظر نکاح جیسا بابرکت کام دفاتر کے چکروں میں الجھ کر رہ جائے گا جو مصالح شریعت کے خلاف ایک عمل ہوگا اور اس سے بے شمار پریشانیوں کے سامنے آنے کا خدشہ بھی ہے۔ ہاں! اس کے اندراج کو ریکارڈ کے طور پر رکھا جانا مناسب ہے اور اس پر پوری توجہ بھی دینی چاہیے۔ اس کام کے لیے نکاح خواں حضرات موجود ہیں جو اپنے رجسٹر پر سب درج کرتے ہیں۔ سرکاری دفاتر سے اس کے اندراج کا نظام قائم کرنا ایک نئی مصیبت کے وجود میں لانے کے مثل ہوگا۔

لازمی نکاح رجسٹریشن کا مسئلہ کئی دفعہ مختلف ریاستوں میں اٹھایا گیا، سب سے پہلی مرتبہ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں حکومت اتر پردیش نے مرکزی حکومت سے نکاح کے لیے رجسٹریشن کروانے کے لیے قانون بنانے کی درخواست کی، چنانچہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ نے یہ قرار داد منظور کی ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس

نکاح رجسٹریشن سے متعلق مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت پر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ رجسٹریشن کا نکاح کے سلسلہ میں لزوم مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے بنیادی حق میں مداخلت کی ہی ایک شکل ہے، یہ اجلاس ملک کے تمام دینی اداروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ نکاح کے رجسٹریشن کا خود انتظام اور اس کا ایک قابل اعتماد ریکارڈ رکھیں تاکہ نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ رجسٹریشن کے متعلق ایسا کوئی بھی ایکٹ جن کی رو سے نکاح کا انعقاد رجسٹریشن پر موقوف رکھا گیا ہو قطعاً شرع اسلام سے متصادم ہے۔ رجسٹریشن کو ثبوت نکاح کے لئے لازم قرار دینا بھی شرع اسلام کے خلاف ہے۔'' جس کی وجہ سے یہ آواز دب گئی، آخری بار مغربی بنگال کی حکومت کے بعض ذمہ داروں نے ۲۰ رمئی ۱۹۹۰ء اور ۲۸ رجولائی ۱۹۹۰ء میں لازمی نکاح رجسٹریشن بل کا مسودہ تیار کرلیا، اور اس سلسلہ میں اسمبلی سے ایک قانون پاس کرانے کی بات کہی۔ بورڈ نے اس وقت فوری طور پر حکومت کے ان بیانات کا جائزہ لیا، اور ۲۰ راگست ۱۹۹۰ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ بلائی گئی ،جس میں یہ قرارداد منظور کی گئی ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس متفقہ طور پر یہ تجویز منظور کرتا ہے کہ حکومت مغربی بنگال کے وزیر قانون کا ''کمپلسری میرج رجسٹریشن'' کی قانون سازی کے متعلق مبینہ بیان مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہے، مجلس عاملہ کا یہ اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ کی جنرل باڈی واجلاس مدراس منعقدہ ۲۹ ردسمبر ۱۹۸۳ء کی اس تجویز کا اعادہ کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نکاح رجسٹریشن کو لازمی قرار دینا قانون شریعت میں مداخلت ہے۔ مجلس عاملہ کا یہ اجلاس حکومت مغربی بنگال کے نکاح رجسٹریشن سے متعلق مجوزہ قانون سازی پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ اس طرح کی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتبدیلی کی راہ ہموار ہوگی جسے مسلمان قبول نہیں کرسکتا۔'' اور مجلس عاملہ نے لازمی نکاح رجسٹریشن ایکٹ کے پیچھے چھپے حکومت کے برے عزائم کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت دینے سے انکار کیا، اور اس وقت بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ کو اس سلسلہ میں مناسب طریقہ کار اختیار کرنے کو کہا گیا۔ الحمدللہ جنرل سکریٹری صاحبؒ کے بروقت انتباہ اور حکومت مغربی بنگال کو مسلمانوں کی طرف سے بھیجے گئے ہزاروں ٹیلی گرام اور خطوط کا یہ اثر ہوا کہ اس نے ۱۳ رستمبر ۱۹۹۰ء کو بیان دیا اور بورڈ کے جنرل سکریٹری صاحب کو باضابطہ اس کی اطلاع دی کہ حکومت مغربی بنگال کا ایسا ایکٹ لانے کا ارادہ نہیں ہے، نیز کسی کے بھی پرسنل لا میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی ہے۔

اسی طرح آندھراپردیش کی اسمبلی نے شادیوں کے لازمی رجسٹریشن کا بل پاس کردیا اور ابھی اس پر گورنر کے دستخط نہیں ہوئے تھے کہ بورڈ نے سولہویں اجلاس عام (حیدرآباد۔ جون ۲۰۰۲ء) میں بروقت فیصلہ کرتے ہوئے اس کو مداخلت کی راہ ہموار کرنے کی کارروائی قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دینے کا مطالبہ کیا جبکہ اس علاقہ میں وقف بورڈ کے تحت مسلمانوں کے نکاح کے رجسٹریشن کا نظام تقریباً دو صدی سے رائج ہے۔

ابھی حالیہ دنوں میں ہندستان کی باوقار عدلیہ سپریم کورٹ نے حکومت ہند کو نکاح کے رجسٹریشن بل کے بارے میں غور کرنے کا مشورہ دیا ہے حالانکہ اس سے قبل بھی کئی صوبائی حکومتوں کی طرف سے اس کی کئی بار کوشش کی گئی لیکن بروقت مسلم تنظیموں اور اداروں کی طرف سے مخالفت نے حکومت کو ہر بار اپنے فیصلہ پر غور کرنے اور اس کو نافذ نہ کرنے پر مجبور کردیا اس کے باوجود ہماری عدلیہ کی طرف سے حکومت کو اس بل کی بابت غور کرنے کے حکم دیئے جانے پر حیرت ہے جبکہ یہ سراسر

اسلامی شریعت میں مداخلت اور ملت کے مفاد میں نہیں ہے اس لیے اس کو ہرگز ہرگز نافذ العمل نہیں ہونا چاہیے اس سے ہندستانی مسلمانوں کی مذہبی آزادی متاثر ہوگی۔

## ایک ضروری گذارش

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ ترجمان **''سہ ماہی خبرنامہ''** آپ کو کیسا لگا؟ آپ اپنی آراء ہمیں ضرور بھیجیں تا کہ ہم ان آراء کی روشنی میں اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا کر آپ کے سامنے پیش کرسکیں۔ ہمیں آپ کی گرانقدر آراء کا شدت سے انتظار رہے گا۔ (ادارہ)

# مسلم معاشرہ میں خواتین کی صورت حال

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی
صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

پرودگار عالم نے اس کائنات میں بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے، مگر ان سب مخلوقات میں سب سے زیادہ اعلی مقام انسان کو دیا۔ دراصل اللہ تعالی نے انسان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ انسان کی خلافت کے سلسلہ میں انسان کی پیدائش سے قبل ہی رب کائنات نے فرشتوں کو اس بات کی خبر دی کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ پھر فرشتوں کے انسان کے مقام ''خلافت'' کے سلسلہ میں شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے سامنے پیش کر دیا اور ان کے علم کا امتحان لیا گیا، جس پر وہ کھرے اترے اور یہ ثابت ہوا کہ خالق کائنات نے انسان کی شکل میں جو مخلوق پیدا فرمائی ہے، وہ علم وکمالات، محاسن، تدبر، غور وفکر اور اعلی اوصاف سے آراستہ ہے، اس میں بے شمار صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں، جن کی بنیاد پر وہ حکومتوں اور سماجوں کے نظام کو بہتر طریقے پر چلا سکتے ہیں، مشکل حالات میں اہم فیصلے لے سکتے ہیں اور وہ شیطانی وطاغوتی طاقتوں کو بھی شکست سے دوچار کر سکتے ہیں۔

تمام مخلوقات میں افضل مقام سے نواز کر انسان کے لیے یہ بھی لازم کر دیا گیا کہ وہ اپنی حیثیت اور منصب کے اعتبار سے دنیا میں کام کرے، اس لیے کے سب سے پہلے ضروری ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے اور جس مقصد کے لیے اسے دنیا میں مبعوث کیا گیا ہے، اس مقصد کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے۔ اپنے منصب اور مقصد کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے پرودگار عالم نے نوع انساں کی پوری پوری رہنمائی فرمائی اور اپنے نبی بھیجے، صحائف اور کتابیں نازل کیں۔ تاکہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اللہ کے بندے پریشان نہ ہوں۔

حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی ورسول ﷺ نے اللہ کی وحدانیت کی تعلیم دی اور لوگوں کو صحیح صحیح راستہ دکھایا، مگر اس کے باوجود ہر دور میں ایسے بھی لوگ دنیا میں رہے، جو سیدھے راستے سے بھٹکے۔ سب سے آخر میں قیامت تک کے لیے آنحضرت ﷺ کو دنیا میں مبعوث کیا گیا۔ آپ ﷺ پر قرآن مجید کا نزول ہوا، جو کہ پوری نوع انساں کے لیے رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے اور ایک جامع نظام ودستور العمل ہے۔ قرآن مجید میں انسان کے مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں فرمایا گیا:

"وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الارضِ خَلیفة"

(البقرہ)

ایک اور جگہ انسان کی ساخت اور حسن وجمال کے بارے میں فرمایا گیا:

" لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسانَ فِی احسَنِ تقوِیم " (التین)

(ترجمہ) ''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا''

انسان کی بزرگی وعظمت کی بابت قرآن میں فرمایا گیا:

" وَلَقَدْ کَرَّمنَا بَنِی اٰدَمَ وَحملنَا ھُم فِی البرِّ و البَحرِ وَرَزَقْنَاھُمْ مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَاھُمْ عَلیٰ کَثِیرٍ مِّمَّن خَلَقْنَا

تَفضِیلا " (الاسراء : ۷۰)

(ترجمہ) ہم نے اولاد آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطاکیں اوران کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پرفوقیت بخشی''

ان آیات سے دو باتیں صاف طور سے معلوم ہوتی ہیں۔ایک تو یہ کہ انسان دیگر مخلوقات میں افضل اوراحسن ہے۔دوسرے یہ کہ اس مقام میں انسان چاہے مرد ہوں یا عورتیں دونوں ہی اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔

تاریخ انسانی کا یہ ایک عجیب المیہ رہا ہے کہ خواتین کو ہر دور میں ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا ہے، حالانکہ وہ بھی اسی مقام و مرتبہ کی مستحق ہیں، جس مقام کے مرد مستحق ہیں۔انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ پچھلے زمانہ میں بھی عورتوں پر ظلم کیا جاتا تھا اور دور جدید میں بھی مختلف طریقوں سے عورتوں کے ساتھ زیادتی کی جاتی ہے۔جب کہ دور جدید میں انسان تعلیم وترقی کے لحاظ سے کافی آگے جاچکا ہے۔اتنے ترقی یافتہ دور میں خواتین کو حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھنا یا ان کی تذلیل کرنا حیران کُن بات ہے۔

جہاں تک بات مسلم معاشرے کی ہے تو اسلامی اعتبار سے خواتین کو بڑے مقام سے نوازا گیا ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

" سُبْحَانَ الَّذِیْ خلقَ الازْوَاجَ کلھا مما تُنْبِتُ الارضُ وَمن انفسِھِمْ وَمما لاَ یَعلمون"(یسن:۳۶) "

(ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے،خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس یعنی نوع انسانی میں سے یا ان اشیا میں سے جن کو وہ جانتے نہیں ہیں''

پیدائشی اعتبار سے بھی عورت کو مرد کے ساتھ رکھا گیا۔فرمان خداوندی ہے:

"هُوَالَّذِی خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وّاحِدَة وَ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا ............ الایة " (الاعراف: ۱۸۹)

(ترجمہ)''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اوراسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا۔تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے''

عبادت و ریاضت کے لحاظ سے بھی خواتین کو مردوں کے برابر رکھا گیا اوران کے مابین فرق نہیں کیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" وَمَاخَلَقْتُ الْجِنّ وَالِانْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْن " (الزاریات: ۵)

اس آیت میں انسان کی پیدائش کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد عبادتِ خداوندی ہے۔چنانچہ جس طرح پانچ اوقات کی نمازیں مردوں پر فرض کی گئیں، اسی طرح سے عورتوں پر بھی یہ نمازیں فرض کی گئیں، جس طرح رمضان کے روزے مردوں پر فرض ہیں، اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہیں۔صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ بھی جس طرح مردوں پر فرض ہے، اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔ایسے ہی حج بیت اللہ کا معاملہ ہے کہ مرد و خواتین میں جو اس کی استطاعت رکھتا ہو، اس پر حج فرض ہے۔یہی نہیں، بلکہ تبلیغ دین اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے میں بھی عورتیں اپنا کردار ادا کرسکتی ہیں۔ارشاد باری ہے:

" وَالْمُؤمِنُون وَالْمُؤمِنَات بَعضُھُم اَوْلِیَاءُ بعضٍ یَاْمُرُوْن بِالْمعرُوف وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکر " (توبہ: ۷۱)

(ترجمہ)''مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، یہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں''۔

خواتین کے اس قدر عظیم مقام ومرتبہ کے باوجود حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ مسلم معاشرہ میں بھی عورتوں پر ظلم وزیادتی کی شکایتیں سننے کو ملتی رہتی ہیں، اگر مسلم معاشرہ پر نظر ڈالی جائے تو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خواتین مختلف مسائل سے دوچار ہیں۔جن میں مندرجہ ذیل مسائل انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ جہیز کا مسئلہ: ہندوستان میں جہیز کے نام پر مسلم معاشرہ میں جو برائی در آئی ہے، اس نے نہ صرف خواتین کے لیے مسائل پیدا کیے ہیں، بلکہ ان کے والدین اور سرپرستوں کو بھی الجھن و پریشانی کا شکار کر دیا ہے۔ کیونکہ جہیز کے نام پر جو لین دین ہوتا ہے، آج کل وہ ہزاروں بلکہ کبھی کبھی لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے، جب کہ تمام والدین لاکھوں یا ہزاروں روپے کا جہیز دینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ جس کے سبب بسا اوقات لڑکیوں کے معیار کے رشتوں کی تلاش میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا نکاح کے بعد جہیز کم ہونے کی وجہ سے بھی بعض اوقات عورتوں کو شوہروں کی زیادتی اور رشتہ داروں کی طعن و تشنیع کا بھی شکار ہونا پڑتا ہے، کبھی کبھی اس طرح کے واقعات کچھ عورتوں کی جانوں کے ہلاکت کے سبب بھی بن جاتے ہیں۔ گویا جہیز کے نام پر خواتین کا خوب استحصال کیا جارہا ہے۔ یہ صورحال یقیناً اسلام کے خلاف ہے۔

۲۔ دوسرا اہم مسئلہ تعلیم کا ہے، تعلیم ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ چاہے مرد ہو یا عورت، مگر اس معاملہ میں بھی مسلم سوسائٹی میں خواتین کافی پیچھے ہیں، یعنی ان کے لیے تعلیم کا معقول بندوبست نہیں ہے، جا بجا لڑکوں کے عصری، دینی ادارے تو مل جائیں گے، مگر لڑکیوں کے نہ دینی ادارے کافی تعداد میں موجود ہیں اور نہ عصری ادارے۔ نتیجہ یہ کہ ان دنوں مسلم بچیاں عام اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتی نظر آرہی ہیں، جو کہ اسلامی معاشرت و تہذیب کے اعتبار سے مناسب نہیں۔ کیونکہ ان اسکولوں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے، ان کا ماحول انتہائی ماڈرن ہے، یہاں کا ڈریس ولباس بھی جدا ہے اور ایکٹی وٹیز بھی مناسب معلوم نہیں ہوتیں، لیکن والدین ان اداروں واسکولوں میں اپنی بچیوں کو تعلیم دلانے پر اس لیے مجبور ہیں کہ بچیوں کے لیے مسلم ادارے نہیں ہیں، یا ہیں تو وہ ناکافی ہیں۔ غالبا یہی وجہ ہے کہ آج کی وہ پڑھی لکھی خواتین جو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کیے ہوئے ہوتی ہیں، وہ اپنی گفتگو، خیال، لباس اور طرز عمل کے لحاظ سے مسلم معاشرت کے خلاف دکھائی دیتی ہیں۔ حالانکہ تبلیغ دین اور امر بالمعروف نہی عن المنکر اور عبادت وریاضت کے لیے دینی تعلیم سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ ملت کے ذمہ دار وحساس افراد پر لازم ہے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں مستعدی سے کام لیں۔

۳۔ ایک اور مسئلہ دور حاضر میں مسلم خواتین سے متعلق یہ بھی ہے کہ عام طور سے ان کو وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے یا ان کو پورا حق نہیں دیا جاتا۔ اگرچہ بعض گھروں میں عورتوں کو وراثت میں سے پورا حصہ دیا جاتا ہے، لیکن زیادہ تر گھرانوں میں ایسا نہیں ہو پاتا، جب کہ اسلام نے اس پر بڑا زور دیا ہے۔

شریعت میں جو حصہ خواتین کا متعین کیا گیا ہے، اسے بڑی اہمیت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ لڑکے کے حصہ کے تعین کے ساتھ قرآن مجید میں لڑکی کے حصہ کی تعین کی گئی۔ ارشاد باری ہے: ''تمہاری اولاد کے معاملہ میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے'' یعنی جب لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی وارث ہوں، تو اس صورت میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اگر صرف ایک لڑکی ہی وارث ہو تو اس صورت میں اس لڑکی کو کل مال کا آدھا دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے'' اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو اس کو کل ترکہ کا آدھا دیا جائے گا'' (النساء) اور اگر کئی لڑکیاں وارث ہوں تو ان کو دو تہائی دیا جائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے'' تو اگر میت کی وارث دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی دیا جائے گا'' (النساء) وراثت میں ماں کا بھی حصہ رکھا گیا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا کہ اگر میت صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تہائی حصہ ملے گا۔ عورت کو بحیثیت بیوی بھی ترکہ سے محروم نہیں رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا'' اور وہ تمہارے ترکے میں چوتھائی حصہ کی حقدار ہیں اگر تم صاحب اولاد نہ ہو'' یعنی اگر میت صاحب اولاد نہیں ہے، تو اس کی بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور اگر صاحب اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اللہ

تعالی نے فرمایا اگر تم صاحب اولاد ہو تو تمہارے ترکے میں ان کا حصہ آٹھواں ہے''۔ بہن کی حیثیت سے بھی عورت کو وراثت کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''اور اگر (میت) مرد یا عورت بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ زندہ نہ ہوں اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو اس بھائی یا بہن کو چھٹا حصہ ملے گا'' اگر دو بہنیں وارث ہوں تو ایسی صورت میں ارشادِ باری ہے ''اور اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں سے دو تہائی کی حقدار ہوں گی'' (النساء ۱۷۶)۔ قرآن مجید میں عورتوں کے ترکہ کے حق کو کھول کھول کر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ پورے طور سے خواتین کو ان کے حصہ کے اعتبار سے ترکہ دیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ عورتوں کے مسائل پر فوری توجہ دی جائے اور ان کو حل کیا جائے تاکہ وہ بھی سماج کی تشکیل و اصلاح میں اپنا پورا تعاون دیں اور پرسکون زندگی گزاریں۔

# خواتین کا استحصال

مولانا عبدالحق فلاحی

ہمارے سماج میں خواتین مختلف حیثیتوں سے استحصال کا شکار ہیں۔ عورتوں کا اصل دائرہ کار تو خود ان کا اپنا گھر ہے جو کہ ان کے عین تقاضائے فطرت کے مطابق ہے۔ گھر گرہستی اور استقرار حمل سے لے کر ولادت، رضاعت اور حضانت کے تمام مراحل عورت کو تنہا طے کرنے ہوتے ہیں، اس میں مرد اس کا شریک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خود شوہر کی خدمت اس کی ایک اہم ذمہ داری ہوتی ہے، جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں گھر کا سکون درہم برہم رہتا ہے اور میاں بیوی اور دیگر افراد خانہ میں خوش گوار تعلقات نہیں پنپ پاتے اور گھر کا عمومی ماحول متاثر رہتا ہے۔

مغرب کے عطا کردہ آزادئ نسواں کے تصور، اور مساواتِ مرد وزن کے پُرفریب نعرے نے حقوق کے نام پر عورت کے نازک کندھوں پر معاشی ذمہ داریوں کا ایک اور بوجھ ڈال دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام ذمہ داریاں نبھانے کے ساتھ بچوں کو گھر میں تنہا چھوڑ کر یا نوکر اور خادمہ کے حوالے کر کے اب وہ دفتروں، کارخانوں اور بازاروں کی زینت بن رہی ہے۔ افسروں کی سکریٹری بن رہی ہے، اور اب تو کارپوریٹ لائف کے تقریباً ہر دفتر اور دفتر کے ہر شعبے میں خواتین کی موجودگی ایک لازمہ سا بن گئی ہے۔ جدید کلچر نے ان خواتین میں بھی مخلوط ماحول میں ملازمت کا جوش، امنگ اور خبط پیدا کر دیا ہے جن کے معاشی حالات بہتر ہیں اور جنہیں حصول معاش کے لیے باہر نکلنے کی واقعی ضرورت نہیں ہے۔ ان دفتروں، بازاروں، کارخانوں، ریستورانوں، ہوٹلوں وغیرہ میں مختلف طریقوں سے عورت کا استحصال کیا جاتا ہے، جن میں ان کا جنسی استحصال بطور خاص شامل ہے۔ ان مقامات پر اسے اپنی عصمت محفوظ رکھنا ایک چیلنج سے کم نہیں ہوتا۔ صورت حال کی اصلاح کے لیے حکومت کی طرف سے نت نئے قاعدے، قانون اور ضابطے بنتے ہیں، خصوصی ہدایات (آرڈی ننس) جاری کی جاتی ہیں لیکن آگ اور پٹرول کا اجتماع اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اجنبی اور غیر محرم مردوں کی مستقل صحبت اور اپنے افسر کو خوش رکھ کر ترقی کے منازل طے کرنے کی خواہش بھی صنفی کجروی پر منتج ہوتی ہے اور ایسے میں میاں بیوی کے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔

شادی بیاہ کے لیے آج ایسی لڑکیوں کی مانگ زیادہ ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ پروفیشنل ہوں اور ملازمت پیشہ ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ حکومت کی غیر منصفانہ معاشی پالیسیوں اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور اوپر سے لے کر نیچے تک پھیلے ہوئے کرپشن نے عوامی فلاح و بہبود کی اسکیموں کو دھتا بتا دیا ہے اور عام آدمی تک اس کا فائدہ نہ پہنچ پانے کے سبب اوسط درجہ کی فیملیز (Middle Class Families) اور عام آدمی کی معاشی زندگی کو تکلیف دہ بنا دیا ہے۔ فیملی میں اگر ایک سے زیادہ مرد کمانے والے نہ ہوں تو خاتونِ خانہ کا معاشی سرگرمی کے لیے بیرون خانہ نکلنا بعض اوقات ناگزیر ہو جاتا ہے لیکن اس امر کا زیادہ تر انحصار افراد خانہ کی سوچ پر ہے، قدروں کی حفاظت سے متعلق اپنے نقطۂ نظر سے ہے۔

ضرورت مند اور لاچار عورتوں کو کم سے کم اجرت پر ملازم رکھنا بھی ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کیونکہ کام لینے والوں کو افراط سے کام کرنے والے ہاتھ میسر ہیں۔ انہیں نہ اس کی پروا ہے کہ کام کرنے والی خواتین کے زیر پرورش بچوں اور افراد کی کفالت اس اجرت پر ہو بھی سکتی ہے یا نہیں جو کہ وہ انہیں ازراہِ عنایت و کرم گستری دیتے ہیں اور نہ ہی انہیں محنت کے ملکی قوانین و ضوابط (Labour Laws) کا کچھ پاس و لحاظ ہوتا ہے۔

شادی کے سہانے خواب دیکھتے لڑکیاں شادی کی عمروں کو پار کر جاتی ہیں، اور جب خیر سے یہ نئی نویلی دلہنیں اپنے سسرال پہنچتی ہیں تو ان غریب اور لاچار بہوؤں کا استحصال شروع ہو جاتا ہے۔ مزید بھاری بھرکم نقدی، رقوم اور جہیز کا سامان لانے کا دباؤ ڈالنا اور مطالبات پورے نہ ہونے کی صورت میں مختلف طریقوں سے ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی اذیت دینا اور انہیں جلا کر یا تڑپا تڑپا کر مار ڈالنا ہمارے اکثریتی سماج میں ایک عام بات ہوتی جارہی ہے۔ مسلم معاشرہ بھی اس کی چھوت سے محفوظ نہیں رہا۔ یہاں بھی شادیوں میں بھاری بھرکم جہیز کا مطالبہ، من پسند کھانوں کے مینو اور بڑی تعداد میں باراتیوں کے استقبال اور ان کی شایانِ شان تواضع کی شرط لڑکی والوں پر عائد کرنا اور تقاضے پورے نہ ہونے کی صورت میں رخصت ہو کر آنے والی بہو کو مختلف طریقوں سے ستانا اور دل تنگ کرنا کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں رہی۔ ابھی تازہ خبر ہے کہ مغربی یوپی کے گاؤں برالہ میں ۱۷ر جنوری کو جہیز کے مزید مطالبہ کو لے کر نئی نویلی بہو شبنم عرف شبّو کو اس کے شوہر اور خسر نے مل کر قتل کر ڈالا اور خفیہ طریقہ سے اس کی تجہیز و تکفین بھی کر دی گئی۔ پولس نے ضلع مجسٹریٹ کی مداخلت اور حکم پر شبنم کی لاش کو قبر سے نکال کر طبّی معائنہ کے لیے بھیج دیا اور شوہر اور خسر کو گرفتار کر لیا ہے۔ (راشٹریہ سہارا اردو، ۲۴ر۱ر۲۰۰۶ء ص:۴، کالم:۱) یہ مذکورہ اخبار کے اپنے نیوز بیورو کی اطلاع ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری جانچ ایجنسیوں، این جی اوز کی تیار کردہ رپورٹیں چشم کشا ہیں، امتناع جہیز ایکٹ (Anti Dowry Act) کے تحت درج ایک رپورٹ اس طرح ہے:

| ۱۹۸۸ | ۱۹۹۹ | ۲۰۰۰ |
|---|---|---|
| ۳۵۷۸ معاملے | ۳۰۶۴ معاملے | ۲۸۷۶ معاملے |

(Report: Crime India 2000, National Crime Record Bureau)

غربت، بے روزگاری، شوہروں کا انہیں لاوارث چھوڑ دینا، عورتوں کا بے گھر ہو جانا، کنبے میں لڑکیوں کی زیادہ تعداد، والدین کے ذرائع معاش کھیتی وغیرہ کا سیلاب و سوکھے وغیرہ کی زد میں آجانا، خواتین کے استحصال کی عام وجوہ ہیں۔ حکومت دہلی کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے ۲۲۳ر لڑکیاں جسم فروشی کے دھندے کے لیے دہلی لائی گئیں جن میں سب سے زیادہ تعداد آندھرا پردیش سے آئی ہوئی (۷۷) لڑکیوں کی ہے۔ اس کے بعد مغربی بنگال (۶۵) اور راجستھان (۲۰) کی ہے۔ اسی طرح دوسرے ملکوں سے غربت اور بے روزگاری کے سبب ۲۶۱ر لڑکیاں دہلی لائی گئیں جن میں ۳۸ر لڑکیاں صرف نیپال کی تھیں۔

(بحوالہ: Women's Link Quarterly, Oct-Dec 2005)

اقوام متحدہ کے ادارہ ترقیاتی پروگرام (UNDP) کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر سال ۲۰ر لاکھ عورتیں اور لڑکیاں غیر قانونی طریقے سے جبری مزدوری، گھریلو ملازمت اور جنسی استحصال (جسم فروشی) کے دھندے میں لگا دی جاتی ہیں۔ اور جرائم کی دنیا میں سب سے زیادہ پھلنے پھولنے والا دھندہ یہی (بازارِ جنس) ہے۔

اندرون ملک کئے گئے ایک جائزہ کے مطابق کاروبارِ جنس سے وابستہ 70.5% عورتیں پرائمری پاس ہیں اور 92.6% خواتین ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہیں۔ آندھرا پردیش، کیرالہ اور تملناڈو میں فصلوں کی بربادی نے کسانوں کو اپنی بیٹیاں دلالوں کو روزی کمانے یا کوٹھوں پر لے جا کر فروخت کرنے پر مجبور کر دیا تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو سپورٹ کر سکیں۔ ان تینوں ریاستوں سے بیشتر لڑکیاں نوکری کا جھانسہ دے کر لائی جاتی ہیں۔

سروے کے مطابق بازارِ جنس (Flesh trade) میں لڑکیوں کے پہنچنے کے دیگر اسباب میں سے چند اہم یہ ہیں: فیملی سائز کا بڑا ہونا (28.2%)، فیملی میں زیادہ لڑکیوں کی موجودگی 23.1%، شادی کی مسرفانہ رسوم اور جہیز کا بوجھ 23.1%، والدین کی بے روزگاری 7-7%

اس جائزہ میں اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ قحبہ گری کے پیشے میں ڈالی گئی عورتوں کی بڑی تعداد (۸۹.۷%) کی عمریں بالعموم 11.14 سال ہیں۔ ان میں سے 90% خواتین کو اجتماعی عصمت دری کی دھمکی دے کر انہیں کوٹھوں میں قحبہ گری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔

ان میں سے ہر عورت یا لڑکی کو ۱۵ گاہکوں سے نمٹنا پڑتا ہے۔

(حوالہ: شکتی پرکاش لکچر رکوئن میری کالج چنئی کا مضمون)

Women's Link, Oct-Dec,2005"Study Vulenrability of Trafficked Victimes of HIV/ADS- An Empirical"

انڈین سینٹر فار انڈیجنس اینڈ ٹرائبل پیپل: ICITP کے سروے کے مطابق چالیس ہزار سے زیادہ قبائلی خواتین معاشی اور جنسی استحصال کی شکار بنائی گئیں جو کہ اڑیسہ اور ریاست بہار سے تعلق رکھتی ہیں۔

اخباری رپورٹوں کے مطابق آسام سے بچیاں باقاعدہ شادی کے نام پر ہریانہ لائی جاتی ہیں اور پھر ان کا جنسی استحصال شروع ہوجاتا ہے۔

ایک دوسرے جائزے کے مطابق والدین کی کمزور معاشی حالت کے نتیجہ میں لڑکیوں کو نوکری اور روزگار کے بہتر مواقع فراہم کرنے کا جھانسہ دے کر ان کا جنسی استحصال جنوبی ایشیا میں ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ۱۰ تا ۱۴ سال کی عمر کی لڑکیاں بڑی تعداد میں قحبہ گری کے لیے نیپال اور بنگلہ دیش سے ہندوستان لائی جاتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق صرف نیپال سے دو لاکھ لڑکیاں حالیہ عرصہ میں ہندوستان لائی گئیں جن میں سے (۴۵۰۰۰) صرف ممبئی شہر میں ہیں اور اس معاملے کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ان واقعات میں قریبی دوستوں اور افراد خاندان کا اہم رول ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو:

Economic & Political Weekly Oct29, 2005. Titel: Human Security & Gender Violence P.4730

حکومت ہند کے ادارہ "قومی کمیشن برائے حقوق انسانی" (NHRC) کے جائزے کے مطابق ان چکلوں کو چلانے والے 57% لوگوں کا رشتہ نیتاؤں سے اور ان سے بھی چار قدم آگے ۶۸٪ رشتہ پولس سے ہے۔ جسم فروشی کی تجارت سے نیتا اگر براہ راست منسلک نہ ہوں پھر بھی میدان سیاست میں ترقی کے زینہ کے بطور یہ دھندا خوب استعمال ہو رہا ہے۔

رپورٹ کے مطابق سالانہ آٹھ ارب ڈالر کا یہ دھندہ ہے جو کہ نشیلی اشیاء کے کاروبار سے بھی زیادہ وسیع اور منظم ہے۔ یہ جائزہ بتاتا ہے کہ چکلوں میں جانے والے 45% مرد شادی شدہ ہوتے ہیں اور ان میں سے 73% اپنی بیویوں کے ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں جسم فروشی کے اس ناپاک دھندے میں ۱۴۰۰ روپے سے لے کر نو ہزار روپے (۹۰۰۰) میں عورت بکتی ہے جب کہ لڑکیاں ۳ سے لے کر ۱۸ ہزار میں بکتی ہیں۔

قومی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق جزیرہ بالی اور بنکاک کے بعد اب دلی، ممبئی اور کیرلا کے شہر سیر وسیاحت کی انڈسٹری کے فروغ کے ساتھ بچوں کے جنسی استحصال کے موزوں اور محفوظ جگہیں سمجھی جانے لگی ہیں اور اس ناپاک کاروبار کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

(بحوالہ اداریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا ہندی ایڈیشن ۲۴/۱/۲۰۰۶ء)

یہ اعداد وشمار بلاشبہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں کہ ہمارے قدموں کے نیچے کیا ہو رہا ہے اور قسمت کی ماری ان لڑکیوں اور بچوں کے ساتھ یہ غیر انسانی سلوک کب تک روا رکھا جائے گا۔

اسلام کے نظام رحمت میں اس متعدی بیماری کا علاج بھی موجود ہے۔ عربی معاشرے میں نزولِ قرآن کے وقت بعض خوشحال لوگ اپنی بے بس اور مجبور لونڈیوں سے پیشہ کراتے تھے اور اس کی کمائی سے مستفید ہوتے تھے۔ اس گھناؤنے کام سے انہیں قرآن نے روکا اور غیرت دلائی:

وَلَاتُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. (النور: ٣٣/٢٤)

"اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں۔"

اس آیت میں ایک لطیف تعریض ہے، اور اس سے یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ کسی ماتحت، زیردست عورت کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس سے پیشہ کرانا غیر شریفانہ اور غیر انسانی فعل ہے اور کوئی بھی شریف اور غیرت مند عورت بخوشی اور رضامندی قحبہ گری کے پیشے میں پڑنا پسند نہیں کرے گی۔

اس آیت سے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے کہ اگر کوئی باندی خود ہی اس پیشے میں ملوث رہنا چاہے تو اسے اس کی چھوٹ ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

استحصال کے سیاق میں خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ بڑا اہم ہے جس میں آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت کی بنیاد پر اُمِّ ولد کی بیع کو حرام قرار دے دیا تھا اور تمام بلاد اسلامیہ میں یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ کسی ایسی لونڈی کو فروخت نہ کیا جائے جس سے اس کے مالک کے یہاں اولاد پیدا ہو چکی ہو کیوں کہ یہ قطع رحمی ہے اور یہ حلال نہیں۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت ہی کا واقعہ ہے کہ یکا یک محلے میں شور مچ گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم یہ ہوا کہ ایک لونڈی اپنی لڑکی سے الگ کر کے فروخت کی جا رہی ہے اور اس کی لڑکی رو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور پوچھا کہ جو دین، محمد ﷺ لائے ہیں کیا آپ حضرات کو اس میں قطع رحمی کا جواز بھی ملتا ہے؟ سب نے کہا: نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر کیا بات ہے کہ آپ کے ہاں ماں کو بیٹی سے جدا کیا جا رہا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **فَهَلْ عَسَيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ؟** (محمد: ۲۲/۴۷)

لوگوں نے کہا کہ آپ کی رائے میں اس کو روکنے کے لیے جو صورت مناسب ہو وہ اختیار فرمائیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تمام بلاد اسلامیہ کو وہ فرمان جاری کیا جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ دراصل مالک، لڑکی کو اپنے پاس روک کر اس کی ماں کو فروخت کر رہا تھا۔

خواتین کا استحصال روکنے کے لیے جہاں ایک طرف موثر قانون سازی کی ضرورت ہے وہیں موجودہ متعلقہ قوانین کو اس کی صحیح اسپرٹ کے ساتھ نافذ کرنا بھی ضروری ہے۔

خواتین کا استحصال روکنے کے لیے رائے عامہ کی بیداری ایک اہم ضرورت ہے۔ ان کا استحصال صرف اغیار ہی نہیں، اپنے خویش و اقارب بھی کرتے ہیں۔ حتی کہ خود والدین کی طرف سے اپنی لڑکیوں کے استحصال کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ شہری زندگی میں تعلیم سے فارغ ہو کر لڑکیاں بالعموم تدریس وغیرہ کے پیشے سے منسلک ہو جاتی ہیں اور بعض ستم ظریف والدین ان سے شادی کی عمریں پار ہونے تک یعنی ۳۶-۴۰، سال تک بھی ملازمت کراتے رہتے ہیں اور ہر آنے والے رشتے میں کوئی نہ کوئی نقص یا عیب نکال کر اسے مسترد کر دیتے ہیں۔ مختلف بہانوں سے ان کی کمائی اپنی گھریلو ضروریات میں صرف کرتے ہیں۔

گداگری کے پیشے سے منسلک افراد اپنی جوان لڑکیوں کو ساتھ لیے پھرتے ہیں اور ان کی شادی کے نام پر بھیک مانگتے ہیں، اس طرح جوان لڑکی ان کی آمدنی کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔

یہ تمام صورتیں ہمارے معاشرے کے لیے ناسور ہیں خواہ گھر کے معاشی حالات خراب ہونے یا گھر میں بڑے کنبے کی کفالت کا صحیح ڈھنگ سے انتظام نہ ہو پانے کے سبب لڑکیاں جسم فروشی کے دھندے میں لگیں یا ان کی خرید و فروخت کی صورت میں ان کا استحصال ہو۔ اس کے سد باب کیلئے دینی اداروں، سماجی تنظیموں، غیر سرکاری رضا کار تنظیموں (NGOs) اور محلّہ سدھار کمیٹیوں کو آگے آنا چاہیے اور اس کے لیے حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ ذہنی بیداری بھی اور عملی جد و جہد بھی۔

دوسرے شہروں اور ملکوں سے لائی ہوئی لڑکیوں کا چکلوں سے آزاد کرانے کا کام بالعموم غیر مسلم سماجی تنظیمیں انجام دیتی ہیں، ہماری مسلم تنظیمیں، انجمنیں اور ادارے اس طرف سے غافل ہیں حالانکہ انہیں اس غیر انسانی ماحول سے نکال کر آزاد، صحت مند اور پاکیزہ فضا میں لانا، ان کے لیے روزی کمانے کے حلال ذرائع کی فراہمی کی صورتیں پیدا کرنا، انہیں از سر نو عائلی زندگی کی شروعات کرانے کے لیے ان کی شادی کا بندوبست کرنا، چھوٹی گھریلو صنعتیں قائم کر کے انہیں اس میں لگانا، ان کے بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا بہترین انسانی فریضہ اور خدمت خلق ہے، یہ کام ہمارے اصلاح معاشرہ پروگرام یا خدمت خلق کے شعبہ کا ایک جزو بنا کر انجام دینا چاہیے۔

سوال یہ ہے کہ بلائے ناگہانی میں گرفتار ان عورتوں کو اگر کوڑھ اور ایڈس کے مریضوں کی طرح ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ اور ان سے گھن

کھاتے رہیں تو انہیں اس عذاب سے کون نکالے گا اور انہیں جہنم کا ایندھن بننے سے کون روک سکے گا؟ بلاشبہ خواتین کا یہ طبقہ ہماری ہمدردی اور اولین توجہ کا مستحق ہے اور ہر شہر میں خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے سماجی کارکنوں، ماہرین قانون اور انسانیت کا درد رکھنے والے معزز شہریوں کا گروپ تشکیل دے کر ایسی خواتین کو دلالوں کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے سنجیدہ کوشش زیر عمل لائی جانی چاہیے۔

ہمارے ملک عزیز میں جسم فروشی کو قانونی درجہ دینے کی بحث عرصہ سے چھڑی ہوئی ہے۔ تہذیب جدید نے اس ناپاک پیشے میں لگی عورتوں کو ''سیکس ورکر'' کا نام دیا ہے، گویا ''طوائف'' کے لفظ میں جو قباحت تھی اسے دھو کر معصومیت کا جامہ پہنا دیا ہے اور یہ تصور دیا ہے کہ جیسے دنیا کے اور بہت سے کام دھندے ہیں ویسے ہی یہ بھی ایک کام ہے۔ اس بحث کو صحیح رخ دینے کی ضرورت ہے اور وسیع پیمانے پر قومی پریس میں بحث چلائی جانی چاہیے ورنہ قانون بن جانے کی صورت میں نئی نسل سب سے زیادہ متاثر ہوگی اور پھر اس سیلاب پر بند باندھنا مشکل ہوگا۔

خواتین کا استحصال جس شکل میں بھی ہو اور جہاں بھی ہو، اسے روکنے اور اس کا سدباب کرنے کے لیے گاہے گاہے سیمینار، سمپوزیم، ڈرامے منعقد کئے جانے چاہئیں۔ جب تک لوگوں میں اس کے خلاف شعور بیدار نہیں ہوگا اور اس کی خطرناکیوں اور سماج پر پڑنے والے اس کے برے اثرات سے لوگ آگاہ نہیں ہوں گے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

یہ ظلم و استحصال خواہ گھریلو سطح پر ہو یا سماجی سطح پر یا سیاسی سطح پر یہ حیثیت خیرامت، مسلمانوں کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ صنف نازک پر ہونے والی ہر طرح کی زیادتی، ظلم اور استحصال سے نجات دلائیں۔ اس سمت میں کی جانے والی ہر کوشش خواتین کو ان کا حقیقی مقام دلانے کا وسیلہ اور اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنے گی۔ انشاءاللہ!

# زوجین کے حقوق اوران کی ذمہ داریاں

مولانا رضوان احمد ندوی

اسلام نے میاں و بیوی کی ذمہ داریوں اور مشغولیتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ بیرونی مشغولیتوں کی ذمہ داری شوہر کے مضبوط کندھوں پر رکھا ہے یعنی روزی کمانا، سرمایہ بہم پہونچانا مرد کا فرض قرار دیا۔ اور خانگی امور کی ذمہ داری عورت پر رکھا ہے یعنی شوہر کے مال کی دیکھ ریکھ ونگرانی اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا بیوی پر قانونی طور پر واجب قرار دیا وقرن في بيوتكن تم اپنے گھروں کو لازم پکڑو اور بغیر ضرورت کے باہر نہ نکلو۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ شوہر بیوی کا رکھوالا ہے اس سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ گویا شریعت اسلام نے جہاں ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کو بتلایا وہیں اس کے حقوق کی ادائیگی کا حکم بھی دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی گاڑی دو پہیوں پر چلتی ہے اگر ان دونوں میں کوئی بھی پہیا رک جائے، تو گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس سے اجتماعی زندگی کا نظام معطل ہوسکتا ہے دور اندیشی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان دونوں پہیوں کو ہمیشہ درست رکھا جائے ورنہ خانگی زندگی کی فضا زہر آلود ہوجائے گی... اگر میاں بیوی ایک دوسرے کی خواہشوں کا احترام کریں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں تو اس سے مؤدت ورحمت میں استحکام پیدا ہوگا، سیاسی وسماجی رشتوں میں پائیداری آئے گی اور ازدواجی تعلقات اور معاشرتی معاملات درست رہیں گے۔ اور اگر طبعی ونفسیاتی ناہمواری کی بنیاد پر ناچاقی پیدا ہوگئی، تو عائلی زندگی کی خوشیاں بھی تباہ ہوں گی اور دل کا چین وسکون بھی ختم ہوگا روزمرہ کے تجربات ومشاہدات سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی بیوی کو معمولی معمولی باتوں پر مارتے پیٹتے ہیں۔ سالن میں مرچ زیادہ کیوں ڈالی، اب تک روٹی کیوں نہیں بنائی۔ یاد رکھئے کہ عورت آپ کے سالن اور روٹی کی ذمہ دار نہیں، لہٰذا شرعاً ان باتوں میں ان پر کسی قسم کی سختی درست نہیں ہے، شریعت ہر ایسے اقدام کو ناپسند کرتی ہے جو رشتہ ازدواج کو مفلوج ومعطل کرتے ہوں اور جس سے عائلی زندگی کا نظام درہم برہم ہوتا ہو۔ ان حالات میں زوجین کو مستقل مزاجی اور جذبۂ احترام کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اور ہر وقت اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ قرآن پاک میں بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ان ارادو اصلاحاً، اگر شوہر اصلاح چاہیں۔ دوسری جگہ فرمایا وان تصلحوا وتتقوا، اگر اصلاح کرو اور تقویٰ کرو، اگر تعلقات کے شیشہ کو ٹھیس لگنے کا ڈر ہو تو باہم صلح کے لئے آمادہ رہو۔ اسلام کی نگاہ میں رشتہ ازدواج ایک مقدس ومحترم اور ناقابل شکست رشتہ ہے جسے آخری دم تک قائم رہنا چاہیے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا پاس ولحاظ کرنا، آپس کے تعلقات میں فیاضانہ برتاؤ کرنا۔ ازدواجی زندگی کی اصلی روح ہے۔ عاشروھن بالمعروف بیویوں کے ساتھ لطف وخوبی سے زندگی گزارو، بیوی کے دل میں یہ احساس پیدا نہ ہونے دو کہ ان کا شوہر انہیں چھوڑ دے گا یا کسی وقت

دغا دے جائیگا اور نہ مردوں کو یہ احساس ستائے کہ بیوی نافرمان ہو جائے گی بلکہ خوش خلقی، بے تکلفی اور ایک دوسرے پر ممکن حد تک اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ ازدواجی زندگی خوشگوار ماحول میں گزار سکے،

آپس میں محبت کے دو میٹھے بول گھریلو زندگی کو جنت کدہ بنا سکتے ہیں اور تلخی و بے رخی جہنم کدہ، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد، صالح بیوی دنیا کی سب سے بڑی بھلائی اور نعمت ہے، رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک طویل خطبہ دیا تھا جس میں زوجین کے باہمی حقوق کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا......لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیکی کی وصیت کو مانو یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں تم اس کے سوا کسی اور بات کا حق نہیں رکھتے لیکن یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں، اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ سے علیحدہ کر دو اور ان کو ہلکی مار مارو، تو اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو، بیشک تمہارا حق عورتوں پر، اور عورتوں کا تم پر حق ہے تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور تمہارے گھروں میں ان کو آنے کی اجازت دیں جن کا آنا تم کو پسند نہیں اور ہاں ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو (ابن ماجہ بحوالہ سیرت النبی جلد ۶)

قرآن کریم نے عدل وانصاف اور رحمت ومودت کے برتاؤ کی ذمہ داری مرد پر عائد کی ہے کہ عورت کے ساتھ محبت آمیز اور فیاضانہ برتاؤ رکھو۔ اگر عورت بدزبان ہو، نافرمان ہو اور مشتبہ چال چلن کی ہو تو پہلے اس کو نرمی سے سمجھاؤ۔ اگر باز نہ آئے تو اس کے بستر کو الگ کر دو، اب بھی باز نہ آئے تو اس کو تنبیہ کرو مگر تھپڑ سے منہ پر نہ مارو اور اگر اب بھی باز نہ آئے تو رات دن کی تھکا فضیحتی کے بجائے عزت وشرافت سے رخصت کر دو، مگر اس کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہونچاؤ ارشاد ربانی ہے **ولا تضاروھن لتضیقوا**۔ نہ ستاؤ کہ وہ تنگ آکر نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ مسئلہ کی جہالت کے باعث ساس و بہو کے خانگی جھگڑے نے ہزاروں گھروں کو برباد کر دیا ہے۔ مولانا محمد ادریس انصاری نے حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ..........بعض ساسیں نہایت بے رحم اور ظالم ہوتی ہیں جو بات بات پر بہو سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں بلکہ اپنے بیٹوں کے کان بھر بھر کے آپس میں کشیدگی پیدا کرتی ہیں جس کے باعث بہو سسرال والوں کے ناجائز مظالم برداشت کرتی ہے یا باپ کے گھر چلی جاتی ہے۔ اگر ماں باپ کہیں کہ تو بلا وجہ شرعی بیوی کو طلاق دیدے تو ماں باپ کی اطاعت واجب نہیں ماں باپ اگر کہیں کہ تو ساری کمائی ہم کو دیا کر، اس میں بھی ان کی اطاعت ضروری نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ بیٹے کے مال میں باپ کا صرف اتنا ہی حصہ ہے کہ کھانے پینے اور تن ڈھانکنے میں جتنے کا وہ محتاج ہو اتنا لے لے اور بس، آپ اپنی معاشرتی زندگی کا جائزہ لیجئے کہ اکثر لڑائی جھگڑے خود غرضی، نادانی اور ناسمجھی کی بنیاد پر ہوتے ہیں اگر دونوں اپنے اپنے مرتبہ کو پہچانیں تو آپس کی کدورت اور بغض وعناد آسانی سے دور ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر زیادتی بیوی کی طرف سے ہو رہی تو قرآن کریم نے اس کے لئے تین درجے متعین کئے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے **والتي تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن في المضاجع واضربوھن**۔ جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو یعنی اس کے بستر کو الگ کر دو اور ان کو تنبیہ کرو۔ اگر تنبیہ کرنے کے بعد نافرمانی سے باز آ گئی تو پھر اس کے قصور کو کھود کر یدمت کرو **فإن اطعنکم فلا تبغو علیھن سبیلا** اگر تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو، یہ ہے اسلام کا وہ اخلاقی اور معاشرتی

اصول وقانون جس کی نظیر دنیا کے کسی دوسرے مذاہب وادیان میں نہیں ملتی ہے اسلام نے خاندانی رشتوں کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لیے ہرایک کے حقوق کو الگ الگ بیان کیا تاکہ انسانی زندگی میں خیر وبرکت اورامن وسکون کی فضا قائم ہوسکے اور معاشرہ اسلام کا نمونہ بن سکے۔ **اللھم ارنا الحق حقه وارزقنا اتباعه.**

# مدارس اسلامیہ کے مروّجہ نظامِ تعلیم وتربیت میں مطلوبہ تغیرات

از: مولانا محمد عبداللہ طارق

نصابِ تعلیم دراصل شخصیت سازی کا نسخہ اور فارمولا ہے جس کی مدد سے ایک استاذ کسی طالب علم کے ذہن ومزاج اور اس کی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے، اس طرح مستقبل کی کسی شخصیت کی تعمیر میں یہ تین عوامل بنیادی ہوتے ہیں: طالب علم، استاذ اور نصابِ تعلیم۔

## ۱- طالب علم:

یہ ان مذکورہ تینوں عوامل میں اصل ہے، اسی کے اوپر بقیہ دو عوامل کام کرتے ہیں، یہ ایک سادہ تختی یا کورا کاغذ ہے جس پر کوئی تحریر لکھنی ہوتی ہے وہ تحریر نصاب ہے اور لکھنے والا استاذ ہے۔ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل چسپی لگن اور محنت سے وہ سب کچھ اپنے ذہن کی تختی پر لکھواتا رہے جو اس کے اساتذہ، مربی اور اتالیق لکھ رہے ہیں اور والدین کا کام یہ ہے کہ وہ اس عمل میں اساتذہ اور درسگاہ کے ساتھ تعاون کریں۔

## ۲- استاذ:

استاذ کا تعلیم کے میدان میں بڑا بنیادی ہے اس کی محنت، دل چسپی اسی طرح اس کے ذہن، کردار اور اسکے خیال ورجحانِ طبع کا اثر اسکے طالب علم پر لازماً پڑتا ہے، مضمون وہ چاہے کچھ بھی پڑھاتا ہو لیکن اس کے اندرون کی کیفیات اور باطنی اثرات طالب علم پر غیر ارادی طور پر پڑتے ہیں اس لیے درسگاہ کے منتظمین اگر بیدار مغز ہیں۔ اور ان کو بیدار مغز ہونا ہی چاہیے تو ان کے لیے ضروی ہے کہ اساتذہ کا انتخاب بہت باریک بینی اور دقت نظر سے کریں، صرف یہ دیکھ لینا ہرگز کافی نہیں ہے کہ یہ استاذ فلاں مضمون پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ذہن بھی اسکا دینی ہے یا نہیں؟ جو مضمون وہ پڑھانے والا ہے یا پڑھا رہا ہے خود اس کی اپنی عملی زندگی اس سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟ مثلاً دینیات پڑھا رہا ہے، قرآن مجید اور حدیث نبوی پڑھا رہا ہے لیکن اگر خود استاذ کی زندگی میں اعلی معیار کا نمونے کے لائق دین نہیں ہے تو یاد رکھیئے چاہے طلبہ کو قرآن وحدیث کی خشک دینی معلومات ازبر ہو جائیں لیکن ''دین'' جس چیز کا نام ہے وہ ان کے اندر ناپید رہے گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں اس حقیقت سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے کہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ استاذ ومعلم ومربیّ میں اگر سو فی صد دینداری ہے تو طالب علم میں بمشکل اسی فیصد یا ستر فیصد دینداری منتقل ہوگی، درسگاہ کے ذمہ داران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اساتذہ پر برابر نظر رکھیں اور وقتاً فوقتاً جانچ کرتے رہیں کہ وہ خود اپنی زندگی میں کیسے ہیں اور یہ کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو کس حد تک نباہ رہے ہیں، اس کے لیے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مہینے دو مہینے میں ایک اجتماعی ملاقات ومذاکرہ منتظمین اور اساتذہ اور عملے کے لوگوں کا ہو جایا کرے جس میں وہ سب اپنے مسائل ومشکلات اپنے تجربات اور تجاویز کا آپس میں تبادلہ کرلیا کریں۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کسی علاقے کے لیے گورنر بنانے کے مقصد سے متعدد لوگوں پر نظر ڈالی پھر ایک صاحب کو ذہن میں تجویز کر کے اس کے حالات کی تفتیش کی کہ وہ معاملات میں کیسے ہیں؟ دین و دیانت میں ان کا کیا حال ہے؟ معاملہ فہمی کیسی ہے؟ وغیرہ ان تمام باتوں سے اطمینان کر لینے کے بعد ان کو وہاں کی ذمہ داری دیکر بھیجدیا۔

اس کے بعد اپنے رفقاء سے جن کو یہ ساری تفتیش معلوم تھی پوچھا: بتاؤ اس معاملے میں میں نے اپنی ذمہ داری پوری کردی انہوں نے جواب دیا: ہاں آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کردی! حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں! ابھی میری یہ ذمہ داری اور باقی ہے کہ میں باریکی سے اس بات کا بھی پتہ لگاؤں کہ میں نے اس شخص سے جو توقعات اپنی تفتیش حال کے نتیجے میں قائم کی تھیں ان پر اپنی عملی اور تجرباتی زندگی میں یہ پورا بھی اترا یا نہیں؟

اساتذہ کی علمی استعداد، ان کے اخلاق، دین و دیانت، ان کے معاملات اور طلباء کے ساتھ ان کے برتاؤ پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ان کی دل چسپیاں طلباء کو پڑھانے، سکھانے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف ہیں یا خود اپنے ذاتی مسائل و معاملات کو سنوارنے، خود اپنی مادی ترقی اپنی شخصی مصروفیات اور اپنا کیریر بنانے میں زیادہ دل چسپی ہے؟

ظاہر ہے ہر شخص اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ہی ساتھ اپنے شخصی مسائل اور نجی زندگی بھی یقیناً رکھتا ہے، اس کی طرف توجہ کرنا بھی بلاشبہ ضروری ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس کی تمام تر توجہ کہیں ''تعمیر خویش'' ہی میں تو نہیں لگی ہوئی ہے؟ اور یہ ''معمارِ حرم'' صرف ''معمار خویش'' ہی تو بن کر نہیں رہ گیا ہے؟

اگر ایسا ہوا تو یہ صاحب اپنے منصب اور اپنی تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکیں گے یہ ذمہ داریاں تو اپنے اندر پوری طرح ڈوب جانے کا مطالبہ کرتی ہیں **العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک** (علم اپنا کچھ حصہ تمہیں اس وقت تک نہیں دے گا جب تک کہ تم اپنی آپ کو کل کا کل اس کے حوالے نہ کر دو)

## توسیعی خطبات:

طلباء کی تعلیم و تربیت اور ذہن سازی میں اساتذہ تو اپنا کام کرتے ہی رہیں گے لیکن وقتاً فوقتاً یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کی مقتدر اہم دینی و دعوتی شخصیات کو دعوت دے کر توسیعی خطبات بھی طلباء کے لیے کرائے جاتے رہیں تاکہ طلباء کو مختلف زاویوں سے اور مختلف شخصیات کے ذریعے دعوت و تبلیغ کا طریقہ سمجھنے کا موقع ملے، اور وہ مختلف قسم کے دعوتی تجربات سے واقف ہو سکیں۔

## ۳- نصاب تعلیم:

شخصیت سازی کا تیسرا عامل نصاب تعلیم ہے، جس طرح انجینئرنگ کا کورس پڑھا کر کسی طالب علم کو ڈاکٹر نہیں بنایا جا سکتا اور قرأت سبعہ و عشرہ پڑھا کر کسی طالب علم کو مفتی نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمیں اپنے طلباء کو کیا بنانا ہے؟ یا کئی مقاصد سامنے ہوں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کس کو کیا کیا بنانا ہے؟ اسی لحاظ سے اساتذہ اسی لحاظ سے نصاب اور تمام تیاریاں کرنی ہونگی۔

طالب علم کو تعلیم کے خصوصی میدان میں لگانے سے قبل یہ دیکھ لینا بھی ضروری ہے کہ خود بچے کا طبعی رجحان کس طرف ہے، کوشش کیجئے کہ آپ اس کے طبعی رجحان کا ساتھ دیتے ہوئے آگے بڑھائیں اس طرح کم محنت اور کم وقت میں اچھے نتائج ظاہر ہونے کی امید ہے۔

ہمارا خاص مقصد یہ ہے کہ ہم طلباء کو اسلام کا داعی و مبلغ اور پیغام

نبوی کا ترجمان بنانا چاہتے ہیں، جب یہ بات طے ہوگئی تو آپ یہ سمجھئے کہ ہم گویا اس کو ایک ایسا برتن بنانا چاہتے ہیں جو دوسروں کے برتنوں میں دین واخلاق اور ایمان واسلام انڈیلا کرے گا، جب اس کا یہ کام ٹھہرا تو یہ گویا یہ جگ ہوا اور اس کے سامنے والے گلاس اور کٹورا ہوئے یا یہ ایک بڑی ٹنکی ہوا اور اس کے مخاطب لوگ جگ، بالٹی اور صراحی ہوئے، کُلّ إناء یَتَرَ شَّحُ بما فیه (ہر برتن میں سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے) اس لیے جب ہم اس کے سپرد ''لوگوں کو دیندار بنانے کی خدمت'' کریں تو اس کے قبل خود اس کو ''نمونے کا دیندار'' بننا ضروری ہے، کوئی اندھا دوسروں کو راستے پر نہیں چلا سکتا۔

## دعوت میں تأثیر کا سرچشمہ:

اور ہم سب کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دعوت وتبلیغ اگرچہ زبان وقلم سے ظاہر ہوتی ہے لیکن تاثیر ان دونوں چیزوں میں الفاظ کی قوت اور زور بیان سے نہیں آتی بلکہ قلب کی زندگی سے آتی ہے ؎

ترا دل نہیں ہے زندہ، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے ملّتوں کے، مرض کہن کا چارہ

ایک بڑے مبلغ وداعی کا کہنا ہے کہ دعوتی عمل میں زبان (اور اسی طرح قلم) کا حصہ تو بس اتنا ہونا چاہیے جتنی پورے بدن کے مقابلے میں زبان ہے، یعنی زیادہ حصہ پورے جسم اور دل کا ہونا چاہیے۔

یہ وہ اہم اور بنیادی نکتہ ہے جس کی طرف مجھے اپنے اس مقالے میں اصلاً توجہ دلانی ہے، آج کے دور میں پی ایس نکتے کی طرف بہت کم توجہ ہے یہی وجہ ہے کہ آج تقریریں مضامین اور دعوتی لٹریچر تو بہت ہے لیکن تاثیر بہت ہی کم ہے داعی، مبلغ، مقرر اور ناصح کی مثال ایسی ہے جیسے کنواں، اگر کسی کنویں سے پانی برابر کھینچتا تو رہے لیکن خود کنویں میں اس کی سوتوں سے تازہ پانی آنے کا سلسلہ بند ہو جائے یا کھینچنے کی مقدار سے کم آئے جیسا کہ گرمی کے موسم میں کبھی کبھی کنواں اور ہینڈ پمپوں میں ایسا ہو جاتا ہے تو کیچڑ آنا شروع ہو جائیگی، یا اس کی مثال دکان کی سی ہے کہ اگر دکان سے سودا برابر بکتا تو رہے لیکن تھوک دکانوں سے اس میں مال لا کر بھرا نہ جائے تو دوکان خالی ہو جائے گی۔

یہی حال دین کے ڈسٹری بیوٹر کا ہوتا ہے، اس کو بھی اپنے قلب کے سرمائے اور باطن کے اسٹاک میں ہر دم تازہ ذخیرہ فراہم کرتے رہنا ضروری ہے اور وہ سرمایہ ان تین ذرائع سے حاصل ہوگا:

الف: باعمل اساتذہ کرام جو دعوتی ذہن بھی رکھتے ہوں اور اسلام کی سربلندی کے آرزومند بھی ہوں۔

ب: باعمل وباکردار داعیوں، مبلغوں اور علماء اسلام کی کتابیں، جن کا انتخاب انہی مذکورہ اساتذہ کرام کے مشورے سے کیا جائے گا۔

ج: خلوتوں میں اللہ تعالیٰ سے قلب کا سچا، گہرا اور سوز وگداز کا تعلق، اسلئے کہ:

؎ عطا رہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی

## نصاب تعلیم کے دو حصے ہیں:

اس خاص مقصد سے جو تعلیم دی جائے گی اس کے دو حصے ہونے چاہئیں۔

۱- ایک وہ حصہ ہے جس کے ذریعہ ہمیں طلباء کو وہ ہتھیار یعنی وہ معلومات فراہم کرنی ہیں اور وہ صلاحیت ان میں پیدا کرنی ہے جس کی اس میدان دعوت کے لیے ظاہری طور پر ضرورت ہے، اس لیے میدان دعوت جتنی قسم کے ہونگے اتنی ہی قسم کی صلاحیتیں رکھنے والے طلبہ ہمیں تیار کرنے ہونگے، گویا جس جس طرح کے کانٹے جہاں کے انسانوں

کی ذہن میں چبھے ہوئے ہوں اسی قسم کی سوزن (سوئیاں) اور نک چوٹیاں ان کو فراہم کرنی ہونگی۔

ہندستان کے تناظر میں اسلام کے خلاف پھیلی ہوئی بدگمانیاں اور یہاں کے مخاطبین و مدعوئین کی ضروریات دوسری ہونگی اس لیے ان طلباء کو اسی لحاظ سے تیار کرنا ہوگا، اور مغربی دنیا کے مخاطبین کے شبہات کچھ اور قسم کے ہونگے، ان تمام ضروریات اور مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے نصاب تیار کرنا ہوگا ہمارے مدارس کا مروجہ نصاب اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہے ضرورت ہے کہ اس میں کچھ تخفیف کر کے دعوتی مقاصد کے پیش نظر کچھ اضافہ کیا جائے۔ دور قدیم میں فلسفہ دراصل اسی مقصد سے رکھا گیا تھا لیکن وہ بطلیموسی فلسفہ اب خود اپنی موت مر چکا ہے، نصاب کا جو حصہ ہمارے یہاں ''معقولات'' کے نام سے جانا جاتا ہے سوچنا چاہیے کہ وہ کس حد تک آج کے حالات میں ''معقول'' ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہمیں طلباء کو دعوتی موضوع کا نصاب پڑھانے سے قبل یہ غور کرنا ہوگا کہ اس طالب علم کا میدان عمل اور خطّہ دعوت کونسا ہوگا؟ جہاں اور جس میدان میں اسے کام کرنا ہے اسی کے مطابق اس کو تیار کرنا ہوگا مدعوء قوم کی نفسیات مزاج اور ان کی پسند اور ناپسند ان کی قومی خصوصیات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے حضور اکرم ﷺ کی زندگی اور حضرت ابوبکر صدیق کی عربوں کے انساب اور قبائلی مزاج سے واقفیت اور اس جیسی دوسری چیزوں کو خصوصیت سے جاننا ہوگا۔ جن لوگوں نے مختلف زبانوں میں اور مختلف سماجوں سے نکل کر اسلام قبول کیا ہے ان کے تأثرات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ کس سماج کے لوگ اسلام کی کن باتوں سے زیادہ متأثر ہوئے اس موضوع پر متعدد کتابیں آچکی ہیں جن میں نومسلم حضرات کے تأثرات جمع کئے گئے ہیں کہ ہم نے کیوں اسلام قبول کیا؟

## جنرل نالج:

ہمارے اسلامی مدارس سے نکلنے والے اکثر طلباء جنرل نالج (دنیا کی عام معلومات) سے بھی ناواقف ہوتے ہیں یہ کمی پوری کرنے پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ حسب تقاضہ کورس میں بھی اس سلسلے کی کوئی کتاب شامل کی جاسکتی ہے۔ کورس میں کچھ چیزیں باقاعدہ درس میں شامل کی جائیں اور کچھ کا مطالعہ تجویز کیا جائے، امتحان دونوں کا لازمی قرار دیا جائے۔

۲- نصاب تعلیم کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کی مدد سے خود اس داعی کو اپنی زندگی کی تعمیر کرنی ہوگی، اس کے لیے اسے باہر کی دنیا کی طرف نہیں بلکہ خود اپنے اندرون کی دنیا کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، اور اپنے اندر کے اس ''مضغۂ خاصہ'' کی اصلاح کرنی ہوگی جس کو سید المرسلین حضرت محمد مصطفی ﷺ نے **ألا إن في الجسد مضغة** کہہ کر بیان فرمایا ہے، اسی مضغے کی اصلاح وتعمیر پر ساری ''دنیائے دعوت وارشاد'' کی آبادکاری موقوف ہے اور اسی کے اجڑ جانے سے سارا میدان دعوت ویران ہوجاتا ہے ؎

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہوسکے
پچھتاؤ گے سنو ہو! یہ نگری اجاڑ کے
(میر تقی میر)

اس کے لیے ''علم قلب'' کی ضرورت ہوتی ہے، جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے: **العلم علمان: علم في القلب ، فذاک العلم النافع ، وعلم علی اللسان ، فذاک حجة الله علی ابن آدم** (**الخطیب في تاریخه ۴/ ۳۴۶، عن جابرؓ بإسناد حسن وابن عبدالبر في العلم والدارمی کلاهما عن الحسن مرسلاً بإسناد صحیح الترغیب ۱/ ۱۰۳، المشکوة**

۸۹/۱– رقم ۲۷۰)

(یعنی علم دو ہیں ایک وہ علم ہے جو دل میں ہوتا ہے اور یہی علم نفع بخش اور مفید ہے، اور دوسرا علم زبان پر ہوتا ہے، یہ علم آدم کے بیٹے کے مقابلے میں اللہ کی حجت ہے)

اسی بات کو مولانا جلال الدین رومیؒ نے کہا ہے ؎

علم را بر دِل زنی یارے بوَد
علم را برتَن زنی مارے بوَد

(علم کو دل پر رکھو گے تو وہ دوست بنے گا، اور اگر علم کو نفس اور جسم پر رکھو گے تو وہ ناگ بنے گا)

یہی وہ علم ہے جس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: **إنّ العلم ليس بكثرة الرواية، إنما العلم نور يقذِفه الله في القلب.** (**تفسير ابن كثير رحمه الله** ۳/ ۶۰۶، **الدر المنثور** ۵/ ۲۵۰، **للسيوطي رحمه الله**)

اس مقصد کے لیے خالص قرآن مجید اور حدیث نبوی کی رو سے تو الأدب المفرد للامام البخاریؒ ریاض الصالحین للامام النوویؒ اور مشکوٰۃ کے منتخب آٹھ ابواب ہیں جو الگ سے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں یہاں بھی اور پڑوسی ملک میں بھی، ان کے علاوہ امام حارث بن اسد المحاسبیؒ کا رسالۃ المسترشدین، جو شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ کے حواشی کے ساتھ چھپ چکا ہے، امام احمد بن قدامۃ المقدسیؒ کی مختصر منہاج القاصدین جو بیروت سے شائع ہو چکی ہے، یہ اصلاً امام ابن الجوزیؒ کی منہاج القاصدین کی تلخیص ہے اسی طرح صاحب ہدایہ کے شاگرد علامہ زرنوجیؒ کی تعلیم المتعلم، ابن عبدالبرؒ کی جامع بیان العلم کے منتخبات اور اخلاق وسلوک کے۔ جامع مضامین کے لیے احیاء العلوم للامام الغزالی کے کچھ خاص حصے اور ذی علم ومحقق مشائخ واولیاء اللہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

## شخصیت سازی میں دیگر عوامل:

کسی طالب علم کی شخصیت سازی میں غیر ارادی طور پر کچھ اور عوامل بھی کام کرتے ہیں جن کی طرف بسا اوقات توجہ نہیں ہو پاتی اور اس سلسلے کی ذرا سی غفلت سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے اس میں گھریلو ماحول، دوست احباب جن کے ساتھ بچے کا بیٹھنا اٹھنا ہوتا ہے، اس کا متفرق مطالعہ یعنی کورس کی کتابوں کے علاوہ جو کچھ وہ پڑھتا ہے اس پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے ناول افسانے اخبارات میگیزینس وغیرہ، اصل توجہ تو تعلیم کے زمانے میں کورس کی کتابوں پر ہی مرکوز رہنی چاہیے لیکن چھٹیوں میں یا کبھی فرصت کے لمحات میں مطالع کے لیے ایسی ہی کتابیں تجویز کی جائیں تو ہلکی پھلکی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اس کے مقصد کے لیے معاون ہوں جیسے سیرت کی کتابیں صحابہ وتابعین کے ایمان افروز واقعات ان کی عزیمت اور اسلام کے لیے ان کی قربانیوں کی تاریخ وغیرہ۔

مختلف ٹی وی پروگرام، آڈیو ویڈیو کیسٹیں وغیرہ یہ تمام چیزیں بھی ذہن پر اثر ڈالتی ہیں، بچے کی پندرہ سولہ سال سے چوبیس پچیس سال کی عمر اس کی ذہنی اٹھان اور فکر وشعور کے ارتقاء کی عمر ہوتی ہے، والدین اور اساتذہ کو بچے کی اس عمر کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، اساتذہ والدین اور ذمہ داران مدارس کو بچے کے دین ودنیا اور ہر لحاظ سے اس کے بہتر مستقبل کے لیے دل سوزی اور لگن سے دعاء بھی کرتے رہنا چاہیے۔ **فإن التوفيق من الله العزيز الحكيم، وهو حسبنا ونعم الوكيل، ولا حول ولاقوة الا بالله العلي العلظيم.**

# امیرشریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور اصلاح معاشرہ کی تحریک

حافظ امتیاز رحمانی اشرف نگر، مونگیر

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دستور کے مطابق مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا جائزہ لے کر اس کی اصلاح کے لیے ممکن جدوجہد بھی بورڈ کی ذمہ داری ہے۔ اور حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ بانی و جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ کے سربراہ کی حیثیت سے ہمیشہ اس کام کو آگے بڑھایا بورڈ کی میٹنگوں میں تجویزیں منظور کی گئیں، مختلف مکاتب فکر کے علماء اور رہنماؤں کو اصلاح معاشرہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور انہیں مشورہ دیا گیا کہ وہ اسے تحریر و تقریر کا موضوع بنائیں، ساتھ ہی حضرت علیہ رحمۃ نے اخبارات کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کر کے انہیں اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں مضامین کی اشاعت کی طرف متوجہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبارات میں اس موضوع سے متعلق مضامین آنے لگے، علماء اور خطباء نے اس موضوع پر گفتگو شروع کی۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے کام کو منظم کرنے کے لیے جناب محمد مسلم سابق ایڈیٹر ''دعوت'' کی کنوینر شپ میں اصلاح معاشرہ کمیٹی بنائی گئی، انہوں نے اپنے اداریوں، نوٹس کے ذریعہ معاشرہ میں پھیلی غیر اسلامی رسم و رواج کی نشاندہی کی، اور اپنے تعلقات کو کام میں لاتے ہوئے صحافتی سطح پر اس جدوجہد کو تیز کر دیا، ان کی رحلت کے بعد جناب عبدالستار یوسف شیخ اس کمیٹی کے کنوینر بنائے گئے، بورڈ کے مرکزی دفتر (خانقاہ رحمانی مونگیر) میں خاص طور پر دو کام کو اہمیت دی گئی، موضوع سے متعلق مختلف مضامین کی کاپیاں پورے ملک کے اردو اخبارات کو مہیا کی گئیں، اور بہت سے اخبارات نے اپنا گرانقدر تعاون دیا، اور ان مضامین کی اشاعت کی، ساتھ ہی بورڈ نے اردو، ہندی، انگریزی، بنگلہ، گجراتی، مراٹھی، تیلگو زبانوں میں قانون شریعت کی اہمیت، اس کی تاریخی حیثیت، اور معاشرتی مسائل پر چھوٹے چھوٹے کتابچے اور بک لیٹ، پمفلٹ شائع کئے، اور لاکھوں کی تعداد میں وہ عوام الناس تک پہونچائے گئے، دو ورقہ اور سہ ورقہ فولڈر بھی شائع کئے گئے، ان کوششوں کے اثرات محسوس کئے گئے ساتھ ہی علماء کرام اور ائمہ مساجد کو بار بار متوجہ کیا گیا، اور انہوں نے بھی اپنی تقریروں اور خطبات میں معاشرہ کی اصلاح پر زور دیا، اور یہ موضوع عام طور پر بے توجہی کا شکار رہا تھا، مرکز بحث اور موضوع سخن بن گیا، ملک کے طول و عرض سے ''خانقاہ رحمانی مونگیر'' میں تحسینی خطوط آتے رہے جس میں بورڈ کی اس خدمت کا اعتراف کیا گیا اور تائید بھی کی گئی۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک کے مختلف اہم شہروں میں اصلاح معاشرہ کانفرنس منعقد کرائی، اور کئی صوبوں میں مؤثر طور پر ہفتہ اصلاح معاشرہ منایا گیا، جس کے ساتھ اجتماعی نکاح کا بھی اہتمام کیا گیا، اور لین دین کے بغیر سادگی کے ساتھ نکاح کا رواج ہوا، ایسی تقریبات میں لوگوں نے فضول خرچی اور بیجا مظاہرہ سے پرہیز کیا، اور معاشرہ کی اصلاح کی سمت عملی قدم آگے بڑھایا۔

اصلاح معاشرہ اور قانون شریعت کے نفاذ کی ایک اہم عملی جہت یہ بھی تھی کہ دارالقضاء کے نظام کو پھیلایا جائے، اور ہر جگہ ایسی سہولت بہم پہونچائی جائے، کہ عامۃ المسلمین شریعت اسلامیہ کے مطابق قاضی شرع کے ذریعہ اپنے معاملات اور مقدمات حل کرائیں، حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نوراللہ مرقدہ کے ذہن میں یہ چیز بہت پہلے سے تھی، اسی لیے آپ نے ۱۹۵۷ء میں امیر شریعت بننے کے بعد پہلے حکم میں دارالقضاء کے نظام کو مستحکم کرنے اور نئے علماء کو قاضی کی تربیت دینے کا حکم دیا، اور ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۸ء میں خانقاہ رحمانی مونگیر میں دوبار قاضی شرع کی عملی تربیت کا نظم فرمایا، پھر امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر میں تربیت قضاء کا کیمپ لگایا، تربیتی کیمپ دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور میں بھی لگایا گیا، تاکہ دکن ہندوستان کے علماء آسانی کے ساتھ دارالقضاء کے کاموں کا عملی تجربہ حاصل کرسکیں، اس طرح علماء کی ایک بڑی جماعت کو قضاء اسلامی کے کاموں سے واقف کرایا گیا، اور ان کے فکر وذہن کو ایک واضح سمت دی گئی، بحمداللہ ان کوششوں کو خدا تعالیٰ نے قبولیت عامہ سے نوازا اور بہت سارے صوبوں اور مقامات پر امارت شرعیہ اور دارالقضاء کا نظام قائم ہوگیا، جس کی وجہ سے اصلاح معاشرہ اور نفاذ قانون شریعت کی راہ استوار ہوئی۔

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی ان مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں جوانہوں نے امارت شرعیہ مسلم پرسنل لا بورڈ اور خانقاہ سے انجام دیا مختلف جماعتوں نے بھی اس اہم کام کو اپنے پروگرام کا حصہ بنایا، اور مسئلہ کی نزاکت واہمیت اور اصلاح کا جذبہ عام مسلمانوں میں پیدا ہوا، کام ابھی بہت باقی ہے، جس نہج کو انہوں نے چھوڑا ہے اس پر عمل کرنے کی بڑی گنجائش ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل واحسان ہے کہ بورڈ نے آج کی تاریخ میں اس تحریک کی رہبری کا موقع امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے فرزند حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ نائب امیر شریعت کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب دامت برکاتہم کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا عظیم کارنامہ انجام دلائے اور امت مسلمہ کو اس تحریک سے وابستہ کردے آمین۔

# مرکزی دفتر بورڈ دہلی کی سرگرمیاں

وقارالدین لطیفی ندوی

مرکزی دفتر بورڈ دہلی کی سرگرمیوں کا ایک اجمالی ذکر پیش خدمت ہے۔

## نکاح نامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک معیاری نکاح نامہ کی ترتیب کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اس کا سب سے پہلا مسودہ بورڈ کے بنگلور اجلاس میں پیش کیا جس کو ارکان نے دوبارہ کمیٹی کے سپرد کر دیا وہ بالآخر بورڈ کے اٹھارہویں اجلاس بھوپال میں بحمد للہ اتفاق رائے سے اسے منظور کرلیا گیا جو عمدہ طباعت ، کاغذ اور خوبصورت کور کے ساتھ شائع ہوگیا ہے اور عام ہو رہا ہے، اس نکاح نامہ میں دو پاسپورٹ سائز کے ہیں جس میں ایک دولہا اور ایک دلہن کے واسطے اور ایک رجسٹر ہے جو محلّہ کے امام، قاضی یا مولانا صاحب جو بھی نکاح پڑھاتے ہیں ان کے پاس رہے گا۔ ایک رجسٹر میں پچاس نکاحوں کے اندراج کی جگہ ہے اس طرح ایک رجسٹر اور پچاس نکاح نامے برائے دولہا و پچاس برائے دلہن کی قیمت ایک ہزار روپے رکھی گئی ہے۔

اس نکاح نامہ کے منظر عام پر آتے ہی ہر طرف سے تحسین کے پیغامات آنے شروع ہوگئے ہیں اللہ کرے کہ یہ پوری طرح قبولیت حاصل کرے۔

## بورڈ کا رجسٹریشن:

تقریباً گذشتہ دو سال سے بورڈ کے سوسائٹی رجسٹریشن کے لیے کوششیں جاری تھیں چنانچہ محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب جناب اسدالدین اویسی صاحب رکن بورڈ اور فیروز غازی صاحب ایڈوکیٹ اس کا رخیر میں پوری طرح سرگرم رہے ان حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں الحمدللہ ۲۱/ فروری ۲۰۰۶ء کو رجسٹریشن کا سرٹیفکیٹ بورڈ کو مل گیا رجسٹریشن سرٹیفکیٹ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام سے ہے اور اس کا رجسٹریشن نمبر S-54919-of 2006 ہے۔

## روزنامہ پایونیئر (ہندی) کی غلط ترجمانی اور بورڈ کا ردعمل

۲۸/ اگست ۲۰۰۶ء کی مجلس عاملہ کے بعد دوپہر تین بجے بورڈ کے دفتر میں ایک پریس کانفرنس بھی رکھی گئی تھی اس میں چونکہ اس وقت سپریم کورٹ کی طرف سے جاری کردہ نوٹس بابت قیام دارالقضاء ونفاذ دارالقضاء کا موضوع گرم تھا اس بناپر پریس والوں نے بورڈ کے ذمہ داروں سے زیادہ تر دارالقضاء کے قیام پر ہی اپنے سوالات کئے بورڈ کی طرف سے پریس والوں کے سوالات کے جوابات بورڈ کے ترجمان ومعاون جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب دے رہے تھے دوسرے دن ہندی، اردو انگریزی کے اخبارات سے اس پریس کانفرنس کا اچھا کوریج دیا لیکن پایونیئر نے اس کی مخالفت میں لکھا اور یہ بھی لکھا کہ بورڈ نے اسلامی کورٹ کی وکالت کی اور اس کے قیام کے لئے سپریم کورٹ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا اشارہ دیا ہے اور اس طرح اور کئی پوائنٹ پر اس ہندی اخبار نے بورڈ کے موقف کے خلاف لکھا اس پر محترم قریشی صاحب نے فوری طور سے ایکشن لیا اور

پایونیئر کوایک تفصیلی جواب طلب خط لکھا اور اسی کے ساتھ ساتھ پریس کونسل آف انڈیا سے ملکی قانون اور پریس کی آزادی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے شکایت درج کرائی جس پر پریس کونسل نے مزید تفصیلات طلب کیں جو ان تک پہنچا دی گئی ہیں فائنل جواب سامنے نہیں آیا ہے انشاء اللہ اگلے شمارہ کے ذریعہ ہم اس بات آپ کو آگاہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

## پریس ریلیز:

۲۸/اگست ۲۰۰۵ء کی مجلس عاملہ منعقدہ دفتر بورڈ نئی دہلی کی قرار داد وتجاویز پر مشتمل درج ذیل پریس ریلز جاری کی گئی۔

۱- ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ نے آج یہاں طے کیا کہ دارالقضاء کے خلاف دائر کردہ درخواست پر بورڈ کے نام جاری کردہ سپریم کورٹ کی مبینہ نوٹس ملنے پر اس کا مدلل اور تشفی بخش جواب داخل کیا جائے گا۔ بتایا گیا ہے کہ بورڈ کو ابھی تک کوئی نوٹس وصول نہیں ہوئی ہے۔ بورڈ کی مجلس عاملہ نے اخبارات میں چھپی خبروں کی بنیاد پر غور کیا اور اس احساس کا اظہار کیا کہ دارالقضاء کا معاملہ ہو یا فتوؤں کی بات ہو یہ سب دستور ہند کے عطا کردہ حقوق اور آزادیوں کے حدود کے اندر آنے والے امور ہیں اور کسی قانون سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

پریس کانفرنس میں ایک سوال پر یہ وضاحت بھی کی گئی کہ عمرانہ کے قضیہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کوئی فتویٰ نہیں دیا اور کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے، بورڈ فتوے جاری نہیں کرتا ہے اور اس طرح کے انفرادی نزاعات میں بورڈ مداخلت نہیں کرتا ہے۔

اجلاس میں جو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں شروع ہوا، جناب ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ صاحب کے بابری مسجد کے ٹائٹل کے مقدمہ کے بارے میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کی جانب سے شہادت ۲۰۰۲ء میں مکمل ہو چکی تھی اب دوسرے فریقوں کی شہادت بھی تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ آثار قدیمہ کی کھدائیوں کی رپورٹ کو چیلنج کیا گیا ہے اس لئے اس تعلق سے عدالت میں مسلمانوں کی طرف سے ماہرین تاریخ اور آثار قدیمہ کے بیانات دلوائے جائیں گے جو کھدائی کے وقت اس کے مشاہد تھے۔ بابری مسجد انہدام کے فوجداری کیس کی رپورٹ کی بابت بورڈ کی مجلس عاملہ نے طے کیا کہ حقیت، نیز یوپی کے وزیر اعلیٰ شری ملائم سنگھ یادو سے اس مطالبہ کو دہرایا جائے کہ وہ رائے بریلی اور لکھنؤ کی عدالتوں میں دو کیسیز کو لکھنؤ کی سی بی آئی عدالت میں سماعت کے لئے منتقل کرادے اور ہائی کورٹ کے مشورہ سے نوٹیفکیشن جاری کرے۔ اس طرح اس مطالبہ کو بھی دہرایا گیا کہ زرعی آراضیات کی میراث میں خواتین کو از روئے شریعت حصہ دلانے کے لئے قانون میں ترمیم کی جائے اور ان دونوں مطالبات کو پیش کرتے ہوئے چیف منسٹر سے بورڈ کا ایک وفد ملاقات کرے۔

بورڈ کے اس اجلاس میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نائب صدر بورڈ، جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب، امیر جماعت اسلامی ہند ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب، جناب غلام محمود بنات والا صاحب صدر مسلم لیگ، جناب مفتی محمد ظفیر الدین صاحب، جناب محمد جعفر صاحب جنرل سکریٹری جماعت اسلامی ہند، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب، مولانا مفتی محمد برہان الدین سنبھلی صاحب، ڈاکٹر نعیم حامد صاحب، جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب، جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب، مفتی محمد اشرف علی صاحب، مولانا یٰسین علی عثمانی صاحب، پروفیسر ریاض عمر صاحب، جناب سید شہاب الدین

صاحب، ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب، مولانا سید عقیل الغروی صاحب، مولانا سید مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب، جناب بیرسٹر اسد الدین اویسی صاحب، مولانا محمود مدنی صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ العلماء ہند، مفتی مکرم احمد صاحب امام مسجد فتحپوری، بورڈ کے سکریٹریز جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحب اور مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کے علاوہ دیگر عاملہ کے ممبران و مدعوئین نے شرکت کی''۔

ملک کی سب سے بڑی محترم ومعتبر عدلیہ سپریم کورٹ نے حکومت ہند کو ایک فیصلہ کے تناظر میں یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ نکاح کے رجسٹریشن کے قانون کو پورے ملک میں نافذ کرے سپریم کورٹ کی اس ہدایت پر بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کی طرف سے درج ذیل پریس نوٹ جاری کیا گیا۔

۲- ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ سپریم کورٹ نے جس مقدمہ کے فیصلہ کے ذیل میں لازمی نکاح رجسٹریشن کا حکم دیا ہے ابھی اس کی کاپی میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن نکاح کے لازمی رجسٹریشن کا معاملہ پہلے بعض ریاستی سرکاروں کی طرف سے اٹھتا رہا ہے، اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ورکنگ کمیٹی نے واضح کردیا ہے مسلمانوں کے نکاح کا لازمی رجسٹریشن قابل قبول نہیں ہے۔ نکاح ایجاب وقبول اور گواہوں کی موجودگی اور جو ضروری شرائط ہیں ان کے عمل میں آنے سے منعقد (Valid) ہوجاتا ہے اس لیے رجسٹریشن ضروری نہیں ہے اس کو اس لیے آسان رکھا گیا ہے تاکہ شہر اور دیہات ہر جگہ نکاح آسان ہو، رضا کارانہ طور پر کوئی اپنا نکاح رجسٹرڈ کروالے جیسا کہ حیدرآباد، بھوپال اور بنگال وغیرہ میں قاضی کورٹ کے ذریعہ ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن نکاح کے رجسٹریشن کو لازم کردینے سے مشکلات میں اور اضافہ ہوجائے گا''۔

اس کے بعد بورڈ کی اگلی مجلس عاملہ میٹنگ مؤرخہ ۸/ مارچ ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور میں طے کی گئی جس کے لئے حسب ذیل پریس ریلز جاری کی گئی۔

۳- ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب نے آج دہلی میں اپنے ایک بیان میں یہ کہا ہے کہ بورڈ کی مجلس عاملہ کا خصوصی اجلاس ۸/مارچ کو بنگلور کے دارالعلوم سبیل الرشاد میں منعقد ہوگا۔

ایجنڈے میں مختلف اہم امور کے ساتھ ساتھ بورڈ کے آئندہ کل ہند مجوزہ عمومی اجلاس کے لیے مقام وتاریخ پر بھی مشورہ ہوگا۔

ایجنڈے کے مطابق بورڈ کی تمام کمیٹیوں کی رپورٹیں بھی پیش کی جائیں گی اور عاملہ ان پر غور وخوض کرے گی۔ ارکان مجلس عاملہ کے نام بنگلور اجلاس کے لیے دعوت نامہ جاری کیا جاچکا ہے''۔

## اصلاح معاشرہ کمیٹی:

کل ہند اصلاح معاشرہ کمیٹی کے کنوینر حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے صدر بورڈ اور جنرل سکریٹری بورڈ کے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ ملک بھر کے تمام علاقائی کنوینروں کی ایک نشست رکھی جائے چنانچہ اصلاح معاشرہ کمیٹی کے صوبائی اور علاقائی کنوینرس کا ایک اہم اجلاس ۳۱/جنوری ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہونا طے کیا گیا۔ اور یہ بھی طے پایا کہ اس اجلاس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام پورے ہندستان میں چل رہی اصلاح معاشرہ تحریک کے کاموں کو آگے بڑھانے اور اس میں بہتری لانے کے لیے غور وخوض کیا جائے گا۔

اصلاح معاشرہ کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ مسلم پرسنل لا بورڈ

کے زیر اہتمام پورے ہندستان میں چل رہا ہے اور جلسوں، سمیناروں، کتابچوں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی خدمت انجام دی جارہی ہے۔ الحمدللہ اصلاح معاشرہ کا مزاج بنا ہے اور ہر ادارے اور مکتب فکر کے لوگ اصلاح معاشرہ کے کارواں میں شریک ہوئے ہیں اور اسے شہر سے لے کر دیہات تک پہنچا رہے ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی کے کنوینرس کا ایک اہم مشاورتی اجلاس ۳۱؍جنوری ۲۰۰۶ء روز منگل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں صدر بورڈ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ملک بھر کے مختلف زون واضلاع کے کنوینرس اور سو سے زائد نمائندوں نے شرکت کی اور سماج میں پھیلی معاشرتی و اخلاقی برائیوں کو دور کرنے اور صالح انسانی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کے طریقوں پر تبادلہ خیال کرنے کے بعد کئی اہم اور مفید فیصلے کئے گئے۔ اجلاس نے کالجز و مدارس کے طلباء کو اصلاح معاشرہ تحریک سے جوڑنے، ملک کے مسلمانوں کی تعلیمی واصلاحی اور سماجی صورتحال کا اجمالی سروے کرائے جانے اور علاقائی وضلعی سطح پر ذیلی کمیٹیاں بنا کر اس تحریک کو منظم ومربوط کرنے کا منصوبہ بنایا۔ افتتاحی خطاب میں صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمایا کہ بورڈ کے قیام کا مقصد شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کی حفاظت کرنا اور قانون ساز اداروں کے ذریعہ مداخلت کو روکنا ہے، لیکن خود مسلمانوں کی اصلاح کیسے ہو اس کے لیے بورڈ اصلاح معاشرہ تحریک چلا رہا ہے تاکہ مسلمان اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاریں۔ اپنے کلیدی خطاب میں بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے کہا کہ مسلم سماج کو لادینیت کے سیلاب سے بچانے کے لیے ابتداء ہی سے دینی تعلیم کے نظام کو فروغ دینا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ عہد رسالت میں پہلے افراد تیار ہوتے تھے، پھر جماعت تشکیل پاتی تھی، آج پہلے جماعت بنتی ہے پھر افراد تیار کئے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ میں اخلاقی وروحانی انقلاب نہیں آتا ہے، اس لیے پہلے فرد کی اصلاح کی جائے اور نوجوان طبقہ کی ذہن سازی پر توجہ دی جائے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے جنرل سکریٹری بورڈ کی تجویز سے اتفاق ظاہر کیا اور کہا کہ اگر نوجوان طبقہ کی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی تو سماج کے بہت سے الجھے ہوئے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ اجلاس کے روح رواں اور بورڈ کے کل ہند اصلاح معاشرہ کنوینر مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ ماضی میں ہمارے بزرگوں نے جمعہ کو خطبوں، خطابات، مواعظ اور عوامی جلسوں سے تربیت کا بڑا کام لیا ہے۔ اس لیے اگر دین کی لو سے اس کو متحرک کیا جائے اور بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح میں مدد ملے گی۔ آپ نے اصلاح معاشرہ تحریک کو مؤثر بنانے کے لیے کئی اہم تجویز پیش کیں جنہیں اجلاس نے تحسین کی نظروں سے دیکھا اور ان خطوط پر تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ مولانا محمد غلام رسول خاموش صاحب کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند نے گجرات میں چند اضلاع میں اصلاح معاشرہ کے کاموں کے بارے میں بتایا کہ تجویز کی روشنی میں کل ہند اصلاح معاشرہ کنوینر مولانا محمد ولی رحمانی نے مہتمم صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں اصلاح معاشرہ کے نظام کو قائم کرانے اور طلباء کو اس مہم میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ نشست میں جن مندوبین نے اپنے قیمتی خیالات پیش کئے ان میں مولانا برہان الدین سنبھلی (لکھنؤ) مولانا ندیم الواجدی (دیوبند) مولانا سید سلمان الحسنی ندوی (لکھنؤ) مولانا عزیز الحسن صدیقی (غازی پور) مولانا ممتاز احمد (شملہ) مفتی نذیر احمد قاسمی (کشمیر) مولانا عبدالعظیم حیدری

(بیگوسرائے) مولانا خالدسیف اللہ رحمانی (حیدرآباد) مولانا انیس الرحمٰن قاسمی امارت شرعیہ (پٹنہ) مولانا انیس الرحمٰن قاسمی (بھاگلپور) مولانا ذکاء اللہ شبلی (اندور) مولانا اشہد رشید الدین (مرادآباد) ڈاکٹر ابوالکلام (سہرسہ) منیر احمد خاں (اندور) مفتی ارشد فاروقی (دہلی) مولانا عتیق احمد بستوی (لکھنؤ) مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی (پٹنہ) مفتی نذر توحید (چترا) مولانا خالد رشید فرنگی محلی (لکھنؤ) عبدالسلام (کیرالہ) مولانا ابوالوفاء ندوی (اعظم گڑھ) ڈاکٹر عبدالحلیم سلفی (دربھنگہ) زین العابدین (پٹنہ) مولانا محمد نہال الدین ندوی (دہرادون) محمد زکریا (شیلانگ) قاضی سعود عالم (جمشید پور) قاضی نذیر (اراریہ) وغیرہ کے اسماء گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔اس موقع پر صدر بورڈ کے ہاتھوں کئی اصلاحی رسالوں کے ہندی ترجمہ کا اجرا بھی ہوا۔جس ''میں امت مسلمہ کی دوامتیازی خصوصیات'' مرتبہ مولانا محمد رابع حسنی ندوی، ''شادی مبارک'' ''جب رشتہ ٹوٹتا ہے'' ''اسلام نے عورت کو کیا دیا'' مرتبہ مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، اردو میں ''عقیقہ کے موضوع پر عقیقہ کی سنت ادا کیجئے'' مرتبہ مولانا عبدالعظیم حیدری ،آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا سہ ماہی خبرنامہ بورڈ اور سہ روزہ تربیتی کیمپ اصلاح معاشرہ (دہلی) کی رپورٹ۔ مرتبہ: مولانا وقار الدین لطیفی کا اجراء ہوا۔

کنوینروں کے مشاورتی اجتماع کے بعد پریس والوں سے ملاقات کے لیے تین بجے کا وقت رکھا گیا جس میں خود جنرل سکریٹری بورڈ صحافیوں سے بات کررہے تھے پریس والوں کے سوالوں کے جواب میں جنرل سکریٹری صاحب نے ٹینس کوئن ثانیہ مرزا کے کپڑوں کو لے کر پیدا تنازع سے متعلق کہا ہے کہ یہ معاملہ بورڈ کے دائرے میں نہیں آتا۔ڈریس سے متعلق فتوے پر سوال کے جواب میں کہا گیا کہ یہ فتویٰ کے حدود سے باہر ہے بورڈ نے اپنے اصلاح معاشرہ کے اجلاس میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ ڈائریکٹو پرنسپل آف پالیسی کی دفعہ 44 کو ختم کرے یا پھر اس قانون سے مسلمانوں کو الگ رکھا جائے۔ بورڈ نے کہا کہ کامن سول کوڈ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھنا ضروری ہے کیونکہ مسلمان اپنی شریعت میں کسی بھی طرح کی مداخلت برداشت نہیں کرے گا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں منعقدہ اصلاح معاشرہ اجلاس میں ملک بھر سے شرکت کرنے والے نمائندوں کی جانب سے پیش کی گئی ریاستوں کی اصلاح معاشرہ رپورٹ پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اجلاس میں علماء نے نکاح، مہر، طلاق، وراثت، بچوں کی پرورش اور وقف جیسے اہم موضوعات پر غور کیا۔ پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا نظام الدین صاحب نے کہا کہ جہیز اور طلاق جیسے امور پر مسلمانوں کو شرعی احکام پر عمل کی ترغیب دینے کی کوشش کی جائے گی۔اس کے علاوہ بلاوجہ طلاق دینے کے بڑھتے رجحان پر روک لگانے کے لیے بورڈ مؤثر قدم اٹھائے گا۔ مولانا نظام الدین صاحب نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ وقف املاک پر مسلسل ہورہے ناجائز قبضے کو روکے اور قبضہ سے بے دخل کرنے کے لیے 1995 کے وقف ایکٹ میں ترمیم کرے۔

## دارالقضاء کمیٹی

پچھلے شمارے میں ہم نے اس کمیٹی کے تعلق سے پوری تفصیل آپ کے سامنے لانے کی کوشش کی تھی اور اس میں اس کا بھی ذکر کیا گیا تھا کہ اس کی اگلی میٹنگ ۲۶ رجنوری کو ہوگی جس کی تفصیل کی مناسبت سے یہ بہتر سمجھا گیا کہ اس میٹنگ کی پوری کارروائی آپ کے سامنے پیش

کردی جائے چنانچہ ذیل میں ہم اس کی پوری کارروائی پیش کررہے ہیں۔

آج مورخہ ۲۶/ جنوری ۲۰۰۶ء مطابق ۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ کو بعد نماز مغرب دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی میٹنگ بورڈ کے مرکزی آفس واقع دہلی میں حضرت مولانا سید جلال الدین عمری دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

۱- حضرت مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب (رکن) دستخط
۳- حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (رکن) //
۵- مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب (رکن)
//
۴- عتیق احمد بستوی صاحب (کنوینر کمیٹی) //

مولانا عبید اللہ الاسعدی صاحب کی تلاوت قرآن سے میٹنگ کا آغاز ہوا، اس کے بعد کنوینر دارالقضاء کمیٹی نے گذشتہ میٹنگ منعقدہ ۸/ جولائی ۲۰۰۵ء کی کارروائی رپورٹ پڑھ کر سنائی اور اس میٹنگ میں جو فیصلے کئے گئے تھے ان پر عمل درآمد کی صورت حال کمیٹی کے سامنے پیش کی۔

کمیٹی کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ الحمد للہ اترانچل کی راجدھانی دہرہ دون میں ۲۳/ جولائی ۲۰۰۵ء کو دارالقضاء کا قیام عمل میں آگیا ہے، دہرہ دون کے اجلاس میں صدر مسلم پرسنل لا بورڈ دامت برکاتہم اور ارکان کمیٹی حضرت مولانا عبید اللہ الاسعدی، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی شرکت فرمائی اور وہاں مفتی سلیم صاحب کو قاضی مقرر کیا گیا، الحمد للہ دہرہ دون کا دارالقضاء بحسن وخوبی خدمات انجام دے رہا ہے۔

ملک کے مختلف مقامات سے دارالقضاء قائم کرنے کے لیے جو درخواستیں صدر بورڈ کی خدمت میں موصول ہوئی ہیں اور ان پر جو کارروائیاں کی گئی ہیں ان کی تفصیل کنوینر کمیٹی نے پیش کی، انہوں نے بتایا کہ سونی پت (ہریانہ) پھلت (مظفر نگر یوپی) میں دارالقضاء قائم کرنے کی درخواستیں مولانا کلیم صدیقی صاحب کے توسط سے آئی ہیں، ان دونوں مقامات کے دو علماء نے دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ جاکر اور کچھ وقت وہاں گذار کر عمل قضاء کی تربیت بھی حاصل کرلی ہے، دونوں مقامات کا جائزہ لے لیا گیا ہے، ان دونوں مقامات پر دو تین ماہ کے اندر قیام دارالقضاء کا پروگرام کرکے دارالقضاء انشاء اللہ قائم کرنا ہے۔

پیر جی حافظ حسین احمد قادری صاحب کی طرف سے بوڑیہ ضلع جمنانگر ہریانہ میں دارالقضاء قائم کرنے کے لیے عرضداشت آئی تھی، جناب قاضی محمد کامل صاحب (قاضی دارالقضاء جنوبی دہلی) کو جائزہ کے لیے وہاں بھیجا گیا، انہوں نے اپنی تحریری رپورٹ داخل کی اور وہاں قیام دارالقضاء کی سفارش کی، انشاء اللہ وہاں بھی مستقبل قریب میں دارالقضاء قائم ہوجائے گا۔

کھام گانو ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر) اور مالونی (ملاڈ شمالی بمبئی) سے قیام دارالقضاء کے لیے آئی ہوئی درخواستوں پر بھی غور کیا گیا اور اب تک جو کارروائی ہوچکی ہے اسے علم میں لایا گیا، صاحب آباد (ضلع غازی آباد یوپی) میں دارالقضاء قائم کرنے کے بارے میں مولانا ذیشان ہدایتی کا خط بھی کمیٹی کی میٹنگ میں پیش کیا گیا اور طے پایا کہ اس سلسلے میں ذیشان ہدایتی صاحب سے زبانی گفتگو کی جائے۔

کمیٹی کے ارکان نے شدت سے اپنے اس احساس کا اظہار کیا کہ دارالقضاء سے متعلق امور کے لیے ایک ارگنائزر کا تقرر نہ ہوپانے کی

وجہ سے کاموں کی پیش رفت پر بڑا اثر پڑ رہا ہے جب کہ بورڈ کی مختلف میٹنگوں میں ایک آرگنائزر کی بحالی طے پا چکی ہے، لہٰذا حضرت جنرل سکریٹری صاحب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے درخواست کی جاتی ہے کہ جلد از جلد ایک آرگنائزر کا تقرر فرمائیں۔

میٹنگ میں یہ بات طے پائی کہ اپریل یا مئی ۲۰۰۶ء میں دہلی میں ایک قضاء تربیتی کیمپ منعقدہ کیا جائے جس میں مغربی یوپی، دہلی واطراف دہلی کے کچھ علماء کو شرکت کی دعوت دی جائے، اس کے نظم وانتظام کے لیے جناب مولانا کلیم صدیقی صاحب پھلت سے رابطہ کیا جائے۔

یہ بات بھی طے پائی کہ صوبہ راجستھان میں تحریک دارالقضاء کو قوت پہنچانے اور جے پور میں قیام دارالقضاء کے لیے کنوینر دارالقضاء حضرت مولانا فضل الرحیم مجددی دامت برکاتہم سے رابطہ کریں اور ان کے مشورہ سے نظام بنائیں نیز راجستھان کے دوسرے بڑے شہروں جودھپور، ٹونک وغیرہ سے بھی رابطہ کی کوشش کریں۔

حضرت مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب نے کمیٹی کی توجہ اس جانب مبذول کی کہ دہلی کے اطراف میں جو بڑی بڑی کالونیاں (نوئیڈا وغیرہ) آباد ہوگئی ہیں، ان میں بھی مسلمانوں کی معتد بہ تعداد ہے، ان علاقوں میں بھی نظام قضاء قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

برہان پور (ایم پی) سے آئی ہوئی درخواست زیر مشورہ آئی اور طے پایا کہ مفتی رحمت اللہ صاحب جو پہلے سے برہان پور کے دارالقضاء میں نائب قاضی کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں انہیں قاضی کی ذمہ داریاں صدر بورڈ کی طرف سے تفویض کرنا مناسب ہوگا۔

## لیگل سیل

مندرجہ ذیل حضرات نے میٹنگ میں شرکت کی۔

۱۔ جناب مولانا برہان الدین صاحب
۲۔ جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب
۳۔ جناب عتیق احمد بستوی صاحب
۴۔ جناب مولانا خالد سیف اللہ صاحب
۵۔ مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی صاحب
۶۔ قاری محمد عثمان صاحب
۷۔ جناب شکیل احمد سید ایڈوکیٹ صاحب
۸۔ جناب بہار برقی ایڈوکیٹ صاحب

۱- مولانا خالد سیف اللہ صاحب کے پیش کردہ مقالہ پر غور و خوض ہوا۔ جناب مچھالہ صاحب نے یہ درخواست کی کہ مقالہ میں جن مواد کا ذکر کیا گیا ہے اس کے ذرائع وتحقیق کے متعلق ایک مختصر نوٹ بنایا جائے تاکہ اس کی اہمیت ثابت کیا جا سکے۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ جب تک صحیح ذرائع کی نشاندہی نہیں ہوتی تب تک ان تحقیق کا کارگر استعمال نہیں ہوسکتا۔

۲- جناب مچھالہ صاحب نے عرض کیا کہ تحقیق وان کے ذرائع کے استعمال کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کسی کے جذبات مجروح نہ ہوں اور ہم اپنی بات بھی پوری قوت سے عدالت کے سامنے رکھ سکیں۔

۳- یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دارالقضاء کے متعلق جعفری مسلک کے علماء کا بھی مشورہ لیا جائے اور اس سلسلے میں مولانا کلب صادق ومولانا عقیل الغروی صاحب سے رابطہ قائم کیا جائے۔

۴- مولانا خالد سیف اللہ کے مقالہ پر گفتگو کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے دوران بھی قاضی کے تقرری کا مطالبہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں (کاظمی بل) بھی پیش کیا گیا

تھا جس کو حکومت نے نہیں مانا۔

یہ فیصلہ کیا گیا کہ کاظمی بل سے متعلق تمام ریکارڈ نکال کر اس کا مطالعہ کیا جائے، یہ بھی بتایا گیا کہ یہ سارے ریکارڈ امارت شرعیہ کی پٹنہ آفس سے دستیاب ہوسکتے ہیں۔

۵- یہ بھی فیصلہ لیا گیا کہ اپنے حلف نامہ میں مسلمان اس بات پر اصرار کریں کہ فسخ نکاح کا مسئلہ ہمیشہ قاضی کے دائرہ اختیار میں رہا ہے اور آج بھی یہ قانونی دائرہ کار میں رہ کر کام کر رہا ہے۔

۶- یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ قاضی کے اختیارات کے متعلق اور گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تاکہ اس بات کو ثابت کیا جاسکے کہ سرکاری قانون میں قاضی کا دائرہ اختیار انگریزی فقہ کے منفی ہے۔ سید شکیل احمد ایڈوکیٹ سے گزارش کیا گیا کہ وہ مولانا قاری محمد عثمان کے بنائے گئے اردو نوٹ کی طرز پر ایک دارالقضاء پر نوٹ تیار کریں۔

۷- یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ سپریم کورٹ کے سابق ججوں کی رائے لی جائے وممتاز وکلاء مثلاً ملی ناریمن، ہریش سالوے، ایس ایس رے اور راجیو دھون وغیرہ کو بھی اس مسئلہ پر بریف کیا جائے۔

۸- یہ بھی طے ہوا کہ اگلی میٹنگ ۴/ مارچ کو نئی دہلی میں منعقد کی جائے۔

یہ میٹنگ ۴/ مارچ کو طے کی گئی تھی بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس کی میٹنگ کو مؤخر کر دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ پہلے تمام ارکان کی آراء حاصل کر لی جائیں پھر ان آراء کی روشنی میں کنوینر کمیٹی محترم جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب ایک مسودہ تیار کرلیں پھر اس مسودہ کے تیار ہونے کے بعد اگلی میٹنگ طے کی جائے اس بنا پر ۴/ مارچ کو ہونے والی میٹنگ مؤخر کر دی گئی ہے جو بعد میں ہوگی انشاء اللہ اس کی رپورٹ اگلے شمارے میں دی جائے گی۔

## جنرل سکریٹری کے ہاتھوں ملیالم زبان میں روزنامہ اخبار کا افتتاح

۲۶/ جنوری ۲۰۰۶ء کو رکن بورڈ جناب ای ابوبکر صاحب کیرالا کی زیر نگرانی Theja نامی ملیالم زبان میں ایک روزنامہ اخبار کا محترم جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب کے ہاتھوں افتتاح ہوا، اس افتتاحی پروگرام میں جنرل سکریٹری صاحب نے یوم جمہوریہ کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے بعد فرمایا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہاں کے مقامی زبان (ملیالم) میں Theja (روشنی) نامی روزنامہ اخبار نکالنے کی ہمارے رفیق کار محترم ای ابوبکر صاحب نے ابتداء کی ہے امید ہے کہ اس اخبار کے ذریعہ صحافت کے میدان میں ایک نئی روشنی آئے گی۔ جنرل سکریٹری صاحب نے تعمیری صحافت کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے اس دور میں صحافت کی اہمیت پر تفصیل سے گفتگو کی نیز جنگ آزادی میں اخبارات نے جو خدمات انجام دی ہیں اس کی بھی تفصیل پیش کی انہوں نے امید ظاہر کی کہ اس وقت معاشرہ اور سماج میں جو روحانی واخلاقی انحطاط اور خاص کر نوجوانوں کے اندر جو بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اس کو دور کرنے کی غرض سے یہ اخبار انشاء اللہ اہم رول ادا کرے گا۔

## وفیات:

ادھر پچھلے چند مہینوں میں ارکان بورڈ میں سے مولانا یعقوب گھولائی صاحب کلکتہ، مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی صاحب مئوناتھ بھنجن، مولانا محمد عثمان صاحب بھاگلپور، حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دیوبند حضرت مولانا بدر احمد محبی ندوی صاحب کی والدۂ محترمہ ہم سے جدا ہو گئے، إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون، یہ تمام حضرات صرف بورڈ ہی کے لئے نہیں بلکہ ملک وملت کے لئے بھی بہت اہم تھے۔ ان کی کمیاں پوری ہونا دشوار تر ہے اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان

کے درجات بلند فرمائے، ان سب کی جدائیگی سے جو خلا پیدا ہوا ہے اللہ غیب سے اس کو پُر فرمائے۔ ادارہ ان تمام مرحومین کے حق میں دعا گو ہے اور ان کے پسماندگان سے تعزیت پیش کرتا ہے۔

ارکان بورڈ کے علاوہ بعض ایسے حضرات بھی ہم سے اس دوران جدا ہو گئے جو ارکان بورڈ کے قریب ترین عزیزوں میں سے تھے ان میں سے مولانا عتیق احمد بستوی صاحب کی والدۂ محترمہ صاحبہ لکھنؤ، ڈاکٹر سید محمد فاروق صاحب دہلی کے بڑے بھائی جناب فرید صاحب، مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب کے چھوٹے بھائی مولانا اسحاق حسینی ندوی صاحب اور مولانا ڈاکٹر یٰسین علی عثمانی صاحب بدایونی کے بڑے بھائی محمد نہال عثمانی صاحب ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے ادارہ ان سب کے متعلقین کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

## بورڈ کے مؤقر وفد کا دورۂ جنوبی ہند

۲۶/فروری ۲۰۰۶ء سے بورڈ کا ایک مؤقر وفد حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ، محمد عبدالرحیم قریشی صاحب معاون جنرل سکریٹری بورڈ حیدرآباد، حضرت مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب امیر شریعت کرناٹک، حضرت مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحب، امیر شریعت آندھرا پردیش، مولانا شاہ قادری مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب وغیرہم پر مشتمل جنوبی ہند کے بنگلور، مدراس اور کیرالا کے وغیرہ کے دورہ پر روانہ ہوا ہے جہاں بورڈ کے یہ اکابر عوام کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات اور سرگرمیوں سے واقف کرائیں گے وہیں یہ بھی بتائیں گے کہ کن حالات و مسائل کی بنیاد پر ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بتائیں گے کہ قیام بورڈ کے بعد بورڈ نے خاص طور پر کن کن مسائل کو لیا اور اس میدان میں کیا خدمات انجام دیں نیز یہ بھی کہ بورڈ کے اغراض و مقاصد کیا ہیں۔ اور یہ بھی کہ بورڈ مسلمانان ہند کا ایک مشترکہ و متحدہ پلیٹ فارم ہے جو اتحاد امت کا داعی و نقیب ہے۔

بورڈ کے مؤقر وفد کا یہ دورہ امید ہے کہ جنوبی ہند کے بعد اب ہندوستان کے دوسری طرف بھی ان دوروں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

## دیگر سرگرمیاں

بورڈ کی تفہیم شریعت کمیٹی کی طرف سے ہر ماہ منتخب وکلاء کا ایک اجتماع منعقد کیا جاتا ہے مگر ۱۱/نومبر کے بعد سے موسم حج کی وجہ سے اجتماع نہیں ہوسکا ہے۔ ۴/مارچ ۲۰۰۶ء کو وکلاء کے ایک نمائندہ اجتماع کی تاریخ طے کی گئی ہے۔

خبرنامہ کے دوسرے شمارے کی طباعت کے بعد تمام ارکان بورڈ کی خدمت میں اس کو بذریعہ کوریر بھیجا گیا اور اکثریت نے اس کو پسند فرمایا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور پرسنل لا بورڈ کا اپنا کوئی ترجمان نہیں تھا جس کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی دوسرے شمارے کی ترسیلی کارروائی کے بعد تیسرے شمارے کی تیاری کا مرحلہ انجام پایا اور ان شماروں میں مضمون نگاروں سے خصوصی مضامین لکھوائے گئے ہیں امید ہے کہ پہلے شمارے کی طرح یہ شمارہ بھی عوام الناس میں قبولیت حاصل کریگا۔

بورڈ کے معاون جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب حج بیت اللہ کے سفر سے واپس ہندستان تشریف لاچکے ہیں واپسی کے بعد ان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی سفر حج اور علالت کی وجہ سے ادھر دو ماہ سے وہ دہلی آفس کو وقت نہیں دے سکے انشاء اللہ رواں مہینے سے ان کا ایک ہفتہ دہلی میں قیام کا سلسلہ جاری ہوجائے گا۔

# اغراض ومقاصد

## آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ہندوستان میں ''مسلم پرسنل لا'' کے تحفظ اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرنا۔ بالواسطہ، بلاواسطہ یا متوازی قانون سازی جس سے قانون شریعت میں مداخلت ہوتی ہو، عام ازیں کہ وہ قوانین پارلیمنٹ یا ریاستی مجلس قانون ساز میں وضع کئے جا چکے ہوں یا آئندہ وضع کئے جانے والے ہوں یا اس طرح کے عدالتی فیصلے جو مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا ذریعہ بنتے ہوں انہیں ختم کرانے یا مسلمانوں کو ان سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی جدوجہد کرنا۔

مسلمانوں کو عائلی ومعاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی احکام وآداب، حقوق وفرائض اور اختیارات وحدود سے واقف کرانا اور ان سلسلہ میں ضروری لٹریچر کی اشاعت کرنا۔

شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں پر ان کے نفاذ کیلئے ہمہ گیر خاکہ تیار کرنا۔

مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک کے لیے بوقت ضرورت ''مجلس عمل'' بنانا جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلے درآمد کرنے کی خاطر پورے ملک میں جدوجہد منظّم کی جاسکے۔

علماء اور ماہرین قانون پر مشتمل ایک مستقل کمیٹی کے ذریعہ مرکزی یا ریاستی حکومتوں یا دوسرے سرکاری ونیم سرکاری اداروں کے ذریعہ نافذ کردہ قوانین اور گشتی احکام (Circulars) یا ریاستی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں پیش کئے جانے والے مسودات قانون (بل) کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے رہنا کہ ان کا مسلم پرسنل لا پر کیا اثر پڑتا ہے۔

مسلمانوں کے تمام فقہی مسلکوں اور فرقوں کے مابین خیر سگالی، اخوت اور باہمی اشتراک وتعاون کے جذبات کی نشوونما کرنا، اور ''مسلم پرسنل لا'' کی بقاوتحفظ کے مشترکہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ان کے درمیان رابطہ اور اتحاد واتفاق کو پروان چڑھانا۔

ہندوستان میں نافذ ''محمڈن لا'' کا شریعت اسلامی کی روشنی میں جائزہ لینا اور نئے مسائل کے پیش نظر مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام کرنا اور شریعت اسلامی کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب وسنت کی اساس پر ماہرین شریعت اور فقہ اسلامی کی رہنمائی میں پیش آمدہ مسائل کا مناسب حل تلاش کرنا۔

بورڈ کے مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے وفود کو ترتیب دینا، Study Teams تشکیل دینا، سمینار، سمپوزیم، خطابات، اجتماعات، دوروں اور کانفرنسوں کا انتظام کرنا، نیز ضروری لٹریچر کی اشاعت اور بوقت ضرورت اخبارات ورسائل اور خبرناموں وغیرہ کا اجراء اور اغراض ومقاصد کے لیے دیگر ضروری امور انجام دینا۔